kistanipoint.com
Waqar
Azeem

ایم۔ایس قادری کی سنسنی خیز

عمران سیریز

غلام گردش

مصنف

ایم۔ایس قادری

قیمت

Rs 8/-

ناشر

قادریہ پبلشرز اینڈ بک سیلرز

پوسٹ بکس ۱۰۷ بہاولنگر

نام کتاب
مظلوم بھیڑیا

مصنف
ایم ایس قادری

ناشر
عبدالرزاق فریدی

ترتیب
قمر آرٹسٹ

قادریہ پبلشرز اینڈ بک سلیرز بہادر نگر

اس ناول میں شائع ہونے والی کہانی کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور تشبیہ دی جانیوالی چیزیں فرضی ہیں۔ جن سے مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔
اسکے لیئے مصنف۔ پرنٹرز پبلشرز یا ناشر ذمہ دار نہ ہوگا۔

تمام امور میں استحقاق کا حق صرف بہادر نگر کی عدالتوں کو حاصل ہوگا

بازگشت

"مظلوم بھیڑیا" عقل حیران ہے کہ "بھیڑیا" اور وہ بھی "مظلوم"، کیسے ہو سکتا ہے۔؟ جبکہ یہ وہ درندہ ہے۔ جو ازل سے انسان کا دشمن ہے۔ اور انسان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ "مظلوم بھیڑیا" بھیڑیا ہی ہو۔ بھیڑیا نما انسان بھی ہو سکتا ہے۔

کنگ آف ہارس جناب ایم۔ ایس قادری نے بڑی خوبصورتی سے درندہ صفت انسان کو اسکی اپنی ہی مظلومیت کے خول میں بند کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اور یہ اعزاز صرف اور صرف جناب ایم۔ ایس قادری کو ہی حاصل ہے۔

یہ ناول ایک ایسے انسان کے گرد گھومتا ہے۔ جو اپنی مظلومیت کا انتقام انسانیت سے لیتا ہے۔

عمران ۔۔۔ اسکی مظلومیت کا اعتراف کرتا ہے ۔۔۔ اور اسے "مظلوم بھیڑیا" کا خطاب دیتا ہے۔ آخر کیوں؟

محبت کی محرومی انسان کو ایسی منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ جہاں مظلومیت قہر بن کر ٹوٹتی ہے۔ اور انسانیت کا نشانہ بن جاتی ہے۔ محبت سے محروم انسان کی کہانی جو یقیناً اثر چھوڑے گی۔

اے۔ آر خریدی بہاولنگر

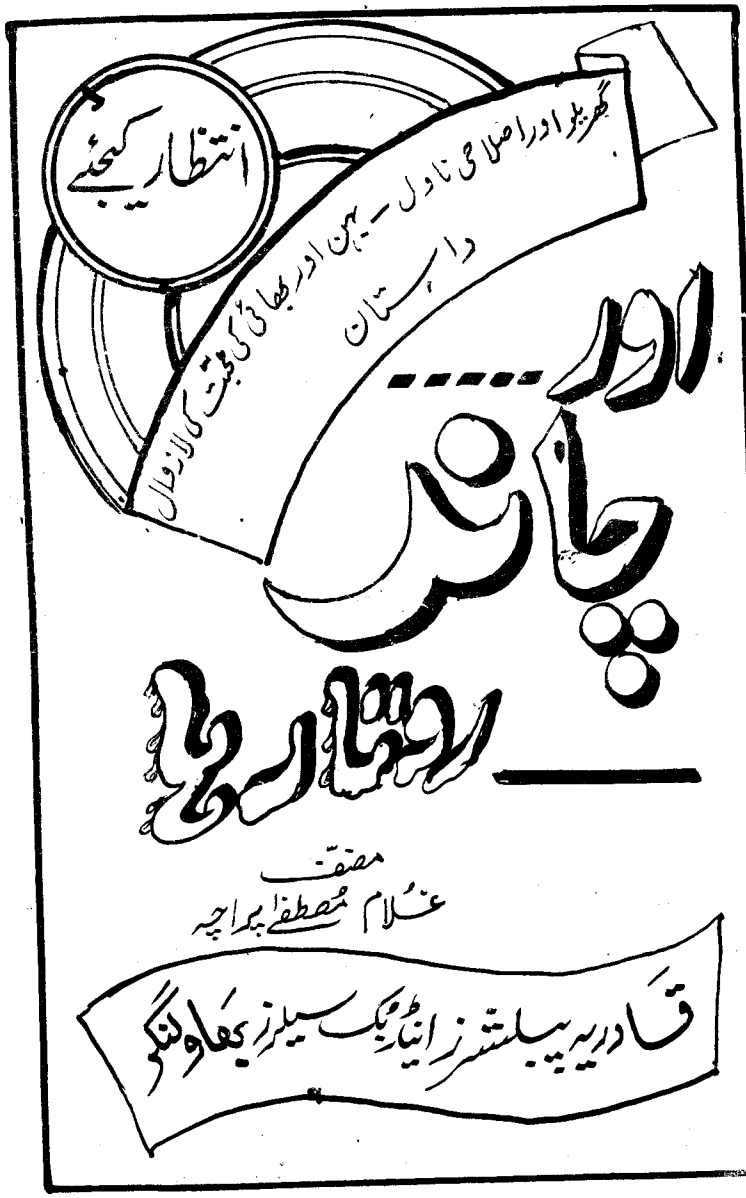

رئیس عبدالرحمٰن کا دو منزلہ مکان دلہن کی سیج کی طرح سجا ہوا تھا۔ سینکڑوں رنگین روشنیاں، شب کی سیاہیوں کو دور تک کاٹتے ہوئے تھیں۔ مکان کے باہر میدانی حدود میں ایک لمبا شامیانہ لگا ہوا تھا جس میں محلے بھر کی عورتیں اور بچے دریوں پر بیٹھے ہوئے فلم شو دیکھ رہے تھے۔ مرد بھی تھے مگر ان کی تعداد گنتی کے برابر تھی وہ دراصل فلم شو کی نگرانی کر رہے تھے۔ اسکرین پر رنگین گھریلو اردو فلم کے مناظر بدل رہے تھے منظر چونکہ ڈرامائی تھا اس لئے سناٹے کا یہ عالم تھا کہ کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز تک نہیں آ رہی تھی صرف فلم کے ہیرو ہی کی گھن گھرج گونج رہی تھی جو اپنے سرمایہ دار باپ کو غریب کی عزت پر جذباتی لکچر دے رہا تھا ہر نگاہ متجسس تھی بہت سی عورتیں ایسی تھیں جنھیں اپنے ہی دل کی دھڑکنوں کی مداخلت گراں گزر رہی تھی اسکرین کی منظر کی دل فریبی کا یہ عالم تھا کہ دلہن کی چند سہیلیاں دلہن کو تنہا چھوڑ کر گیلری میں کھڑی ہوئی تھیں اور چند قدم کمرے میں مسہری پر حسین و جوان دلہن گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے آنکھیں

Pakistanipoint.com
Waqar Azeem

نئی پراسرار، ایڈونچر،
دہشتناک، جاسوسی،
سائنسی اور قسط وار،
کہانیوں کے لئے!

آئندہ سے ہمارا امتیازی نشان

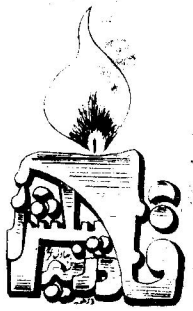

مظفر سٹریٹ پوسٹ بکس ۱۰۷ بہاولنگر

موندے بیٹھی تھی۔ اس کی سماعت سے بھی اسکرین کی آواز ٹکرا رہی تھی غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار سی بہہ رہی تھی۔

بہت شاندار کمرہ تھا ویسے بھی دلہن کا باپ پورے کنبے میں سرمایہ دار گردانا جاتا تھا وہ شہر میں سنار کی بہت بڑی دکان کرتا تھا مشہور یہ تھا کہ وہ سونے میں بہت زیادہ کھوٹ ملاتا ہے اس کے باوجود اطراف کے تمام گاؤں اس کے خریدار تھے۔ اپنی برادری کا وہ ٹیل (چوہدری) تھا۔

بہرحال دلہن آنکھیں موندے بیٹھی تھی اور اس کی سہیلیاں گیلری میں کھڑی تھیں درمیان میں چونکہ دلہن کے لئے خریدا ہوا سامان حائل تھا اس لئے اگر اس کی آنکھیں کھلی بھی ہوتیں تب بھی وہ اپنی سہیلیوں کو نہ دیکھ پاتی۔

کشادہ کمرے میں چند بڑی بڑی کھڑکیوں کے علاوہ دروازے بھی تھے جو کھلے ہوئے تھے جن سے شب کی خوشگوار ہوائیں کمرے میں چکرا رہی تھیں۔

"سکینہ۔۔۔" معاً دلہن نے آنکھیں کھولتے ہوئے سہیلیوں میں سے کسی ایک کو پکارا مگر اس کی آواز کمرے میں چکرا کر رہ گئی۔ چند لمحے کے انتظار کے بعد اپنا ریشمی آنچل سمیٹ کر ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی اٹھی اور مسہری سے اتر کر گیلری پر طائرانہ نظریں ڈال کر ملحقہ کمرے کی طرف بڑھی۔

ابھی اس نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ بائیں طرف کی بڑی سی غیر سلاخوں دار کھڑکی سے سیاہ نقاب میں ڈھکا ہوا ایک چہرہ نمودار ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بھیڑیے کی سی چمک تھی۔ اس قدر خونخوار آنکھیں تھیں کہ دلہن کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا مگر آواز اس کے سینے ہی میں گھٹ

کر رہ گئی۔ چند ہی لمحے گزرنے پائے تھے کہ سیاہ لباس میں ملبوس ایک انسان کسی لاش کی طرح اکڑا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں پر بھی سیاہ دستانے چڑھے ہوئے تھے اور ایک ہاتھ میں اسٹیل کی تیز اور نوکیلی چھری تھامے ہوئے وہ دم بخود کھڑی دلہن کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کی سانس بادے کتے کی طرح تیز تیز اور بھیانک تھی چونکہ وہ جسم پر ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے تھا اس لئے اس کی جسامت کا اندازہ لگانا بہت دشوار تھا ویسے قد کے لحاظ سے وہ ساڑھے پانچ فٹ ضرور رہا ہوگا۔

چند لمحے دلہن کو عجیب سی وحشت خیز نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد اس نے بڑے والہانہ انداز میں دلہن کا ہاتھ پکڑ لیا اور...

"ان گورے گورے ملائم ہاتھوں پر ہنوز مہندی نہیں لگی۔" وہ پھٹی ہوئی خوفناک اور مسحور کن آواز میں بولا۔

"دیکھو میری جان۔ میں خدائی فوجدار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آج مہندی کی رات تیرے ہاتھ سفید رہیں۔ دیکھ میری سوچ میں... کتنی تیز دھار والی چھری لایا ہوں۔ لو اسے پکڑو۔ اور مجھے ذبح کر دو۔ جب میرے زخموں سے خون کی دھار بہے تو اپنے ہاتھ رنگ لینا۔ تیرا یہ حقیر غلام اپنی رانی کی خدمت میں اس سے بڑا تحفہ نہیں دے سکتا۔"

کہتے ہوئے اس نے کمسن دلہن کے ہاتھ میں چھری تھما دی اور گیلری پر طائرانہ نظریں ڈال کر آنکھیں موند لیں اور سر اٹھا دیا۔

"نن۔ نہیں۔ ہم۔ میں۔ میں نہیں۔ بچ نہیں کروں گی۔" بدقت تمام دلہن

کے لرزتے لبوں سے لرزتی آواز نکلی۔

"تو پھر میرے ساتھ بھاگ چلو شاردا ورنہ کل کی رات تم کسی اور کی ہو جاؤ گی اور۔ اگر تم نے مجھے زیر نہ کیا تو ہر ہر لمحے مجھے موت آتی رہے گی۔ میں تڑپ تڑپ کر جینا نہیں چاہتا۔"

"تت، تم کک کون ہو۔"

"ایک مظلوم۔ یقین جانو شاردا میری زندگی صرف تم سے ہے۔ تم میری محبت ہو میرا پیار ہو خدا کے لئے میرے ساتھ چلو۔ میں اپنی آنکھیں تمہارے قدموں میں بچھا دوں گا دنیا جہاں کی نعمتوں کا ڈھیر لگا دوں گا تمہارے سامنے۔"

"نن، نہیں۔ میرا باپ بے موت مر جائے گا۔" دلہن کا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا اس کے چہرے کی تمام سرخی موت کی زردی میں بدل چکی تھی۔

"مرنے دو اسے شاردا۔ وہ صرف ایک بار مریگا اور۔۔۔ میں بار بار مرتا رہوں گا۔ میرے حال پر رحم کرو شاردا۔"

"سچ، چلے جاؤ۔ چلے جاؤ خدا کے لئے۔ ورنہ میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

"اچھا۔" سیاہ پوش نے رونی آواز میں کہتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"میں چلا جاتا ہوں شاردا مگر تمہارے ہاتھوں پر خون کی مہندی ضرور لگاؤں گا۔"

یک بیک اس کی آواز کسی بد روح کی طرح بھیانک ہو گئی۔ آن واحد میں اس نے شاردا کی وہ مٹھی دبوچ لی جس میں اس نے چھری پکڑ رکھی تھی دوسرے لمحے سیاہ پوش شاردا کی پشت پر پہنچ گیا اور چھری کی تیز دھار شاردا کے نرخرے کا بوسہ لیتی رہ گئی۔ بوسہ اس قدر گہرا ثابت ہوا کہ شاردا کے حلق سے صرف خرخراہٹ ہی نکل سکی اس کے جسم کو بہت ہی طاقتور جھٹکا لگا اور نقاب پوش لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی تک پہنچ گیا۔

✻

پروجیکٹر آپریٹر چونکہ مکان کی دیوار کے سائے میں اونچی جگہ پر بیٹھا تھا۔ بالکونی اس کے سر سے صرف چھ سات فٹ ہی اونچی تھی لہٰذا چیخ کی پہلی آواز پر اسی نے گردن اٹھا کر بالکونی کی جانب دیکھا۔

"خون۔۔۔ خون۔۔۔۔ خون۔۔" بالکونی میں کھڑی ہوئی گوری چٹی لڑکی ہذیانی انداز میں ایک ہی لفظ کہتی رہی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی اور وجود لرزتا محسوس ہوا۔

آپریٹر چونکا۔ فی الفور اس نے اسپیکرز کا والیوم کم کیا اور قریب کھڑے ہوئے ایک خوش پوش نوجوان کو جھنجھوڑ کر بالکونی کی طرف متوجہ کیا جب کہ آواز کے گھٹتے ہی بہت سی عورتوں کی جھنجھناہٹ شروع ہو گئی تھی۔

نوجوان کی نظریں جونہی بالکونی کی طرف اٹھیں۔ وہ بری طرح چونک پڑا اس لئے بھی کہ بالکونی میں ایک ادھیڑ عمر برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی نظر

آئی اس کی پشت پر چند دوسرے خوفزدہ زنانہ چہرے نظر آنے لگے تھے۔

"کیا بات ہے اماں۔" نوجوان نے شدید گھبراہٹ میں زوردار آواز سے پکارنے کے ساتھ ہی آپریٹر کو فلم روک دینے کا اشارہ کیا۔

"خون۔ خون ہو گیا ہے بیٹے تیری دلہن بہن کو کسی ظالم نے ذبح کر دیا ہے ہائے اللہ میں لٹ گئی۔"

ادھیڑ عمر عورت کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نوجوان گھبراہٹ اور غم کی ملی جلی کیفیات میں مکان کے بڑے دروازے کی طرف مڑا۔ چونکہ فلم شو بالکل رک گیا تھا اس لئے بہت سی عورتوں نے غمزدہ ادھیڑ عمر خاتون کی آہ و فغاں سن لی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے شادی خانہ ماتم کدہ میں بدل گیا۔ چھوٹا سا شہر تھا اس لئے رئیس عبدالرحمٰن کی معصوم بیٹی کے بہیمانہ قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔

جائے واردات پر اہل خانہ کا ہجوم سا جمع ہو گیا۔ رئیس عبدالرحمٰن بھیگی بھیگی نظروں سے اپنی نوجوان بیٹی کی سمٹی ہوئی لاش کو تک رہا تھا جس کے دونوں ہاتھوں پر خون لتھڑا ہوا تھا۔ بہت سا خون زمین پر پھیل گیا تھا مفقودہ کا جوان بھائی سکتے کے عالم میں مبتلا تھا۔ دلہن کی والدہ۔ وہی ادھیڑ عمر عورت زمین پر بے ہوش پڑی تھی۔ دیگر عورتیں مرد اور بچے سسک سسک کر رو رہے تھے۔

"عبدالرحمٰن۔ ہوش کرو، حوصلہ پکڑو۔ اگر تم نے بھی ہمت ہار دی تو

ہمیں تو حوصلہ کون دے گا۔"

ایک ادھیڑ عمر مرد رئیس عبدالرحمٰن سے مخاطب ہوا۔

"جاؤ ان سب کو دوسرے کمروں میں بھیج دو پولیس پہنچنے ہی والی ہے۔"

"خ، خیرو۔ م، میری بیٹی۔" رئیس عبدالرحمٰن تھرتھراتی آواز میں بولا اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

خیرو نے اسے رونے سے روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے روتا چھوڑ کر عورتوں کو دوسرے کمروں میں چلنے کی ہدایت کرنے لگا۔

دسویں منٹ پر پولیس پہنچ گئی۔ کمرے میں دس۔ مقتولہ کا باپ بدحواس خیرو کے علاوہ کوئی نہ تھا تو پولیس پارٹی کے چار افراد۔

انسپکٹر شہباز لاش کے معائنے میں مصروف ہو گیا اور دیگر لوگ بیان لینے میں مصروف ہو گئے۔ تحقیقات کا یہ سلسلہ ایک گھنٹے میں ختم ہو گیا۔

"عبدالرحمٰن صاحب۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔" پولیس انسپکٹر تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

"یہاں سے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے قریبی بڑے شہر تک پہنچانے میں دو گھنٹے لگ جائیں گے میں آپ کا خیال جاننا چاہتا ہوں۔"

"انسپکٹر صاحب۔" رئیس رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پوسٹ مارٹم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پوسٹ مارٹم اس لئے

کیا جاتا ہے کہ مقتولہ کی موت کا سبب معلوم ہو۔ آپ دیکھ رہے ہیں یہ ایک قتل ہے
میری بیٹی کو ذبح کیا گیا ہے۔"

"نہیں رئیس۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ آپ دیکھیں مقتولہ کے خون آلود
ہاتھ میں چھری ہے۔ مقتولہ کی سہیلیاں بھی یہی کہتی ہیں کہ وہ دلہن کو سہاگ
کر صرف چند منٹوں کے لئے بالکونی میں گئی تھیں۔ واپس آئیں تو دلہن
زمین پر تڑپ رہی تھی اور کمرے میں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔"

"آپ۔ کہنا کیا چاہتے ہیں انسپکٹر۔"

"صرف یہ کہ دلہن نے خودکشی کی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر۔ ممم۔ میری بیٹی خودکشی کیوں کرنے لگی۔"

"بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ میں ایک رنجیدہ بات سر میں آپ کے
رنجیدہ دل کو مزید دکھانا نہیں چاہتا۔"

"انسپکٹر صاحب۔ آپ کا دل جو چاہے سمجھ لیں۔ آپ اپنی کاغذی کارروائی
میں جو کچھ مناسب سمجھیں لکھ دیں مگر پوسٹ مارٹم نہیں ہوگا۔ اگر آپ
ضد کریں گے تو میں ڈی سی سے تدفین کی اجازت حاصل کر لوں گا۔"

"اگر آپ ایسا کر لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ویسے ہم خودکشی کی
وجہ ضرور معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"انسپکٹر صاحب۔ وجہ تو آپ تب معلوم کرتے جب میری بیٹی زندہ
ہوتی اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مقتولہ کی سہیلیوں سے کچھ معلوم کریں گے تو اس
کے لئے آپ کو لیڈیز پولیس کا انتظام کرنا ہوگا۔"

بات چونکہ سمجھ میں آنے والی تھی اس لئے انسپکٹر شہباز نے ضد نہیں
کی صرف اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک رئیس عبدالرحمٰن نے ڈی سی سے
تدفین کی اجازت نہ مانگ لی
پولیس چلی گئی۔ لاش کے فوٹو پہلے ہی لئے جا چکے تھے۔ پولیس کے
جاتے ہوتے ہی رئیس عبدالرحمٰن کا گھر چیخ و پکار سے گونج اٹھا۔

✻

پندرہ دن گزر گئے۔ رئیس عبدالرحمٰن کے گھر میں بھی پولیس انداز سے
تسلیم کر لیا گیا۔ پولیس نے شاردا مرڈر کو خودکشی ہی کا کیس بنا کر داخل
فائل کر دیا۔ خودکشی کی وجہ اس لئے معلوم نہیں ہو سکی کہ کوئی لیڈیز پولیس
میسر تحقیقات کے لئے نہیں پہنچ سکی البتہ شاردا مرڈر کے چرچے ہر بیٹھک
ہونے لگے ایسی ہی ایک بیٹھک درویش خصلت جوان کی تھی۔

عمر کے لحاظ سے وہ اٹھائیس برس سے زیادہ کا نہ تھا مگر عبادت اور
محنت نے اس کی صحت کو بڑی حد تک گرا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر
زرد کے دھبے تھے۔ ایک ٹانگ اس قدر ناکارہ تھی کہ بغیر سہارے کے اس
سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ اس کے گلے میں موٹے دانوں کی تسبیح
تھی چوکی پر چائے سے بھرا ہوا تھرماس رکھا تھا اور ہونٹوں میں پتے
کی بیڑی دبی ہوئی تھی۔

درویش خصلت جوان کے معتقدین میں یہ خیال عام تھا کہ فقیر دن رات صرف چائے پر گزارہ کرتا ہے دن رات کے کسی بھی حصے میں اناج کو چکھتا نہیں ہے البتہ بڑیاں بے تحاشہ پھونکتا ہے۔ چونکہ وہ تارک دنیا تھا اس لئے دور دراز کے حاجت مند اس سے فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ اس کی بیٹھک میں اکثر معتقدین کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے فقیر عادل کی بیٹھک میں کل نو آدمی بیٹھے تھے چائے کا دور چل رہا تھا اور اسموکنگ ہو رہی تھی۔ موضوع گفتگو وہی شاہ دا مرڈر تھا۔

"فقیر سائیں۔ رئیس عبدالرحمن کتنا سرمایہ دار ہے۔ اپنے قصبے کا ٹیلہ بھی ہے اس کی حویلی میں ملازمین بھی بہت سارے ہیں، بظاہر یوں لگتا ہے کہ ہر شخص خوش ہے مگر رئیس کی بیٹی کی خودکشی ثابت کرتی ہے کہ کہنے والے اس سے خوش نہیں ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے میر محمد۔" فقیر عادل چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بولا۔

"رئیس عبدالرحمن بہت اچھا انسان ہے۔ غریب پرور بھی ہے۔ کوئی سائل اس کے در سے کبھی خالی نہیں لوٹتا۔ میں یقین ہی نہیں کر سکتا کہ ایسے خدا ترس انسان سے اس کے کہنے والے ناخوش ہوں گے۔"

"فقیر سائیں۔" میر محمد گویا ہوا۔

"آپ بہت نیک انسان ہیں۔ بھرپور جوانی میں آپ نے عبادت سے

ناتہ جوڑ لیا ہے۔ میں آپ کے خیال سے اختلاف نہیں کروں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ خود نیک ہیں تو سب کو نیک سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ رئیس ایک غریب مار انسان ہے۔ سادہ لوح دیہاتیوں کو سونے میں آدھی سے زیادہ کھوٹ ملا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کسی کی آہ تو رنگ لائے گی۔"

"نہیں میر محمد ایسا نہ کہو۔ رئیس عبدالرحمن واقعی اچھا انسان ہے ہو سکتا ہے اس کی ناخلف بیٹی کو رشتہ پسند نہ ہو، نجات کی کوئی راہ نہ پا کر اس نے خودکشی کر لی ہو۔"

"ہمارا کیا ہے فقیر سائیں ہماری طرف سے سبھی کا منہ اُدھر ہی ہو۔" بیزارانہ لہجے میں کہتے ہوئے میر محمد اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں چل دیئے میر محمد۔" بیٹھک میں بیٹھے ہوئے دوسرے شخص نے پوچھا۔

"خان صاحب کی حویلی جا رہا ہوں ادریس۔"

"کیوں خیریت۔ سر پھرے سفرور و خود سر خان صاحب کی حویلی میں تمہارا کیا کام۔"

"بھئی ملازم ہوں خان صاحب کا۔ ان کی زمینوں کا حساب کتاب رکھتا ہوں۔ ان کی بیٹی کی آج مہندی ہے اس لئے انتظامات کرنے ہیں۔"

"کونسی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے۔ اس کی تو چار جوان بیٹیاں ہیں۔" فقیر عادل پتے کی بیڑی سلگاتے ہوئے بولا۔

"نسرین کی فقیر سائیں۔ وہی جو آپ سے بی۔ اے میں پاس ہونے کا تعویز

لینے آتی تھی۔"

"بھئی حد ہو گئی۔ نسرین کی شادی ہو رہی ہے اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔"

"آپ اللہ والے آدمی ہیں فقیر سائیں۔ اگر آپ کو اطلاع ہوئی بھی ہوتی تو آپ صرف دعائیں دیتے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو میر محمد۔ ہم فقیروں اور اپاہجوں کا دنیا کے ہنگاموں سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔ ویسے کیا نسرین بی اے کے امتحان میں ہو گئی۔"

"کیسے نہ ہوتی فقیر سائیں۔ آپ کے تعویز نے تو بڑا کام دکھایا۔ نسرین آپ کی بہت معتقد بھی ہے حالانکہ اسکا باپ خان صاحب تعویز گنڈے پر قطعی یقین نہیں رکھتا۔ وہ تو آپ کو برا بھلا بھی کہتا ہے۔ ایمان سے خون کھول جاتا ہے میرا۔"

"نہیں میر محمد نہیں۔ ہمارے مذہب میں غصہ حرام ہے۔ خان صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔ دراصل اثر و رسوخ اور دولت کی فراوانی نے اسے خدا سے بیگانہ بنا دیا ہے ورنہ دل کا برا نہیں ہے۔"

میر محمد خاموش ہو گیا اور بڑی عقیدت سے فقیر سائیں کے پیر چھو کر بیٹھک سے نکل چلا گیا۔

موافق موسم تھا۔ نہ گرمی تھی اور نہ ٹھنڈک نہ ہی دھوپ میں تپش تھی۔ ویسے بھی سورج بڑی حد تک زوالیت پا چکا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی اور دور کہیں سے اسپیکروں پر شادیانے گونج رہے تھے۔

✕

انور خاں شہر کے چند بڑے رئیسوں میں سے ایک تھے۔ ان کے مختلف کاروبار تھے اور اثر و رسوخ بھی غضب کا رکھتے تھے۔ انور خاں کے بیٹا کوئی نہ تھا چار جوان بیٹیاں تھیں اور یاروں آزاد خیال اور آزاد ماحول کی پروردہ تھیں۔ دو بڑی بیٹیاں گریجویشن کر چکی تھیں ان ہی میں سے سب سے بڑی نسرین تھی۔ انتہائی خوب صورت پرکشش اور خود سر قسم کی لڑکی تھی۔ اس کی عمر پچیس برس سے زائد نہ تھی۔ اسی کی شادی ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے رؤسا اور افسران کی بیگمات شریک ہوئی تھیں۔

انور خاں کی وسیع و عریض حویلی نہر کے بالکل کنارے پر تھی۔ حویلی کی دو سمتوں میں ہریالی کی گئی تھی۔ طرح طرح کے رنگین پھولوں کی کیاریاں سجی ہوئی تھیں۔

حویلی کا مین دروازہ اسٹیشن رخ پر تھا جبکہ پشتی پائیں باغ کا رخ نہر

کی سمت تھا۔ حد بندی دیوار کچھ اس انداز میں ترتیب دی گئی تھی کہ سطحی طور پر تین چار فٹ تک نہر کے مٹیالے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ماسوائے چھوٹے سے بازار کی چند دکانوں اور ہوٹلوں کے اگر کہیں رونق تھی تو نور خاں کی حویلی میں۔ پوری حویلی رنگ برنگی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی اندرونی جانب سے زنانہ آوازوں میں لوک گیتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ دونوں جانب کے باغ نما صحن میں زندگی پورے طور پر بیدار تھی۔ بیچ حصے کی جانب چارپائیوں پر مرد سونے کی کوشش کر رہے تھے جب کہ نہر کی جانب والے صحن میں عورتوں کا اجتماع لگا ہوا تھا۔

تقریباً سبھی عورتیں بیش قیمت علاقائی لباس میں ملبوس تھیں۔ راگ ورنگ کی گرمی اس وقت ٹوٹی جب بچوں نے شور مچا دیا۔ مہندی آئی مہندی آئی۔ نوجوان لڑکیاں اٹھ دوڑیں بہت سی عورتیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اس لئے کہ دولہے والوں کی جانب سے مہندی لانے والا زنانہ گروپ ناچتا گاتا پہنچا تھا ان کی آمد مین راستے سے ہوتی اور نہر کی جانب والے صحن میں رک گئی۔

چند عورتیں گانے میں اور چند ناچنے میں مصروف تھیں۔ طرفین کی تمام عورتیں محو تماشہ تھیں۔ حسین و جوان لڑکیاں اپنے سروں پر بڑی بڑی تھالیاں لئے کھڑی تھیں جن میں گوندھی ہوئی مہندی اور مہندی میں دھنسی ہوئی شمعیں تھیں۔

اسی ہنگامہ آرائی میں ایک برقعہ پوش خاتون قدم قدم پیچھے ہٹتے ہٹتے رہائشی حدود میں داخل ہوئی۔ وہ بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ نقاب

چہرہ پر گرایا ہوا تھا اس لئے اس کی آنکھیں تک نظر نہیں آتیں مگر وہ اس تیزی سے ادھر ادھر تک رہی تھی جیسے وہ ہر ذی روح سے مخفی رہنا چاہتی ہو۔

تین سجے سجائے مگر ویران کمرے عبور کر کے وہ چوتھے کمرے کی کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ کمرہ روشن تھا اور اندرونی جانب ایک خوبصورت سے پلنگ پر ایک بہت ہی خوبصورت اور جوان لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ قرائن سے ظاہر تھا کہ یہی دلہن نسرین ہے یقیناً باقی تمام لڑکیاں دوسری پارٹی کی عورتوں کا تماشہ دیکھنے چلی گئی تھیں۔

ہر دو جانب کا طائرانہ جائزہ لینے کے بعد برقعہ پوش خاتون کھلے ہوئے دروازے سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ دلہن نے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر حیرت کے آثار لہرائے اور پھر وہ اٹھ بیٹھی۔

"کون ہے تو دائی۔ کیا یہاں بھی پردے میں رہو گی۔" نسرین تعجب خیز لہجے میں بولی۔

اچانک برقعہ پوش خاتون نے نقاب اٹھا دی۔ نسرین کا منہ حیرت سے کھلا اور کھلا ہی رہ گیا۔ اس لئے کہ پردے کی اوٹ میں کوئی عورت نہیں بلکہ ایک مرد تھا۔ اس کے اوپری ہونٹ پر گھنی مونچھ تھی۔ چہرہ تصویر الم بنا ہوا تھا مگر آنکھوں سے خون سا ٹپکتا محسوس ہوتا۔ وہ یک ٹک نسرین کو گھور رہا تھا اور کسی بھیڑیئے کی طرح گہری اور ڈراؤنی سانسیں لے رہا تھا۔

"نسرین۔ بہت کم وقت ہے، اٹھو اور میرے ساتھ بھاگ چلو۔" جملے کے اختتام تک پراسرار برقعہ پوش نسرین کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی آواز نسرین

پر کچوکے سے لگا رہی تھی۔

"کیا کہتا ہے کم بخت۔ تو ہے کون۔ کیوں آیا ہے یہاں۔"

"دل شکنی کی باتیں نہ کرو نسرین میں... میں تمہارا عاشق ہوں تمہیں لینے آیا ہوں میرے حال پر رحم کرو نسرین اٹھو اور میرے ساتھ بھاگ چلو۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو... تو کل تم کسی غیر کی ہو جاؤ گی۔ میں مر جاؤں گا نسرین میں مر جاؤں گا مجھے جوان موت نہ مارو۔"

"کمینے۔ ذلیل کتے جاتا ہے یا پکاروں لوگوں کو۔" نسرین شدت غضب سے تلملا کر مسہری سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اف۔ ہو ناں آخر ظالم اور خود سر باپ کی بے رحم بیٹی۔ نہیں چلتیں تو... تو پھر لو یہ چھری۔ مجھے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے ذبح کر دو۔ میری آخری خواہش یہ ہے کہ مجھے مار کر میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ دو۔ رنگ دو میری جان۔ آج۔ آج تمہاری مہندی کی رات ہے۔"

پراسرار نقاب پوش کا جملہ مکمل ہونے تک نسرین کے چہرے پر غصے، نفرت اور جھلاہٹ کے کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں اس لئے کہ چھری کی چمک نے چکا چوند سی پیدا کی ہوئی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ نسرین چیختی، چلاتی یا کچھ کہتی۔ پراسرار برقعہ پوش نے چھری اس کے ہاتھ میں تھما کر اسکا ہاتھ اٹھا دیا۔ دوسرے لمحے نسرین کے جسم کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ خرخراتی رہ گئی۔ اس لئے تیز دھار چھری اس کے نرخرے میں ڈوب چکی تھی۔

پوری حویلی میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں شادیانے بج رہے تھے وہاں سے اب آہ و بکا کی آوازیں اٹھ رہی تھیں جبکہ جائے واردات پر انور خاں پولیس انسپکٹر کے سامنے بیٹھا ہوا بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔

"میں قاتل نہیں ہوں انسپکٹر۔ میں انور خاں ہوں۔ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک قاتل کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دوں۔"

پولیس کے دیگر جوانوں سمیت انور خاں کے کنبے کے چند لوگ بھی بیٹھے تھے۔ سب پر سفید چادر ڈال دی گئی تھی۔

"حالات کا دھارا واقعی بدل چکا ہے خان صاحب۔" انسپکٹر پر سوچ لہجے میں بولا۔

"میں نے شاردا مرڈر کے وقت بھی ہائی کمان سے مداخلت کی

اپیل کی تھی مگر دارالحکومت سے تحقیقات کے لئے کوئی نہیں آیا۔ اس کے علاوہ ہمارے شہر کے لوگ ضدی اور دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں۔ مجھے تحقیقات ہی نہیں کرنے دی گئی۔ ایسی صورت میں میں کر بھی کیا سکتا تھا۔"

"انسپکٹر۔ کیا آپ کا یہاں کام ختم ہو گیا ہے۔"

"تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ صبح میں اپنی تحقیقات کا نئے سرے سے آغاز کروں گا۔"

"آپ جو چاہیں کریں میں آپ کے ساتھ مکمل تعاون کروں گا۔ کیا ہم تدفین کا انتظام کر سکتے ہیں۔"

"جی ۔ جی ہاں۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔" کہتے ہوئے انسپکٹر اٹھ کھڑا ہوا اس کے تمام ماتحت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ذرا دیر بعد کمرے میں آہ و بکا کا نہ رکنے والا طوفان شروع ہو گیا۔

انور خاں اور اس کے عزیزوں نے نسرین کی لاش مسہری پر رکھ دی اور عورتوں اور بچوں کو روتا چھوڑ کر غمزدہ چہرہ لئے دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"بھائی جان۔ کیا نسرین، نسرین کو واقعی قتل کیا گیا ہے۔" دوسرے بڑے کمرے میں پہنچتے پہنچتے انور خاں کے چھوٹے بھائی نے پوچھا۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"تو کیا میری بیٹی جاہل تھی، ناسمجھ اور نافرمان تھی یا میں اس کی کسی خواہش کا احترام نہ کرتا جو اس نے خودکشی کی۔"

"مم، میرا مقصد کچھ اور تھا بھائی جان۔"

"تمہارا مطلب کچھ بھی رہا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ نسرین نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے اور ... جس نے بھی نسرین کو قتل کیا ہے میں اسے اپنے شکاری کتوں کی خوراک ضرور بناؤں گا۔" شہر والوں کو پتہ ضرور چل جائے گا کہ انور خاں کی بیٹی کو قتل کرنے والے کا انجام کتنا بھیانک ہوتا ہے۔"

جملے کے اختتام تک انور خاں فون کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے رسیور اٹھایا اور دارالحکومت کے کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ٹیلیفون لائن چونکہ ڈائریکٹ تھی پھر یہ کہ سحر ہو چکی تھی اس لئے چند ہی لمحوں بعد سلسلہ مل گیا۔

"ہیلو۔ سپرنٹنڈنٹ فیاض بول رہا ہوں" نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم فیاض۔ میں انور خاں مخاطب ہوں۔"

"وعلیکم السلام۔ معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"آپ کیسے پہچان سکتے ہیں مجھے جب کہ میں نے مکمل تعارف کروایا ہی نہیں۔ دراصل دل خون کے آنسو رو رہا ہے ذہن پر آگ کے الاؤ روشن ہیں کوئی صحیح بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"میں مالٹا شہر سے بول رہا ہوں۔ انور خاں مائی مالٹا ڈال۔"

"اوہ انور خاں۔ بھئی مجھے افسوس ہے آپ کو پہچاننے میں دیر کر دی۔ کہیئے مزاج تو اچھے ہیں بچیاں کس حال میں ہیں۔"

"فیاض۔ میرے دوست، نسرین کو چند گھنٹے پہلے کسی ظالم نے

ذبح کر دیا ہے۔"

کہنے کے ساتھ ہی انور خاں بلک بلک کر رونے لگا۔ اس کا بھاری بھرکم دراز وجود لرزنے لگا اور سرخ و سفید چہرہ تپے ہوئے تانبے کی طرح مزید سرخ ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ تفصیل بتلائیے۔"

"تفصیل کیا بتلاؤں میرے دوست۔ آج میری معصوم بیٹی کی مہندی کی رات تھی مگر وہ اپنے ہی خون میں ڈوب گئی۔ اسے کس نے قتل کیا۔ کیوں اور کیسے کیا یہ سب کچھ جاننے کے لئے آپ کے سامنے دامن پھیلائے کھڑا ہوں۔ میری مدد کیجئے میں نسرین کے قاتل کو دیکھنا چاہتا ہوں اسے تختہ دار پر لٹکتے دیکھ کر ہی میری تسکین ہو سکتی ہے۔"

دوسری طرف سے مکمل خاموشی رہی۔ ہو سکتا ہے فیاض خود پر قابو پانے لگا ہو۔

"جواب دیں میرے دوست آپ خاموش کیوں ہیں۔ کوئی مدد نہیں کر سکتے تو انکار ہی کر دیں۔"

"غلط سوچا ہے آپ نے۔ اچھا سنیئے میں اپنے محکمے کے ڈائریکٹر جنرل رحمٰن صاحب کے بیٹے کو مائی ٹانی روانہ کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال رکھئے گا کہ اس کی شرارتیں آپ کو پریشان نہ کر سکیں۔ وہ بلائے بے درماں ہے قاتل کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔"

"میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ تو پھر اجازت چاہتا ہوں۔

آپ جسے بھی روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی اور اسی وقت روانہ کر دیں۔"

"مطمئن رہیں انور خاں نسرین میری بھی بیٹی تھی۔ کوئی اندیشہ نہ سمجھئے میں خود بھی چھٹی لے کر کسی وقت پہنچ جاؤں گا۔ تو پھر خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور انور خاں بھی قمیض کے دامن سے آنسو پونچھتے ہوئے ریسیور رکھنے لگا۔

.x.

صبح گیارہ بجے تک وہ مائی ٹانی شہر سے صرف بیس میل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ سنی تو تا اسٹاپ ڈھائی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی ڈرائیونگ سیٹ پر عمران بیٹھا تھا اور اس کے قریب گہرے سبز رنگ کے شلوار سوٹ میں جولیانہ بیٹھی تھی۔

گہرے سبز رنگ کے لباس نے جولیانہ کو کسی شاعر کا تصور اور مصور کا شاہکار بنایا ہوا تھا۔ اس نے اپنی لمبی اور گھنیری زلفوں کو دوپٹے میں اس انداز سے لپیٹ رکھا تھا کہ سوائے ایک شوخ لٹ کے جو بار بار اس کی پیشانی پر آ جاتی۔ کوئی بال اڑتا محسوس نہیں ہوا۔

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی جبکہ عمران ونڈ شیلڈ پر نظریں جمائے پہاڑی بکرے کی طرح جگالی کرنے میں مصروف تھا۔

چونکہ وقتاً فوقتاً ٹریفک جاری تھا اس لئے عمران کو بہت ہی محتاط

ڈرائیونگ کرنی پڑ رہی تھی۔ مسافروں سے بھری ہوئی بسوں کی آمد و رفت تھی اور لوڈنگ ٹرکوں کے علاوہ دیگر سواریوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

" خدا کی پناہ۔ مسلسل ڈھائی گھنٹے کی بیٹھک نے میرا جسم سن کر کے رکھ دیا ہے۔" جولیا بے چینی سے پہلو بدل کر بولی۔

" غلط بول رہی ہو۔ پورا جسم سن نہیں ہوا گا صرف ہپ سنسنا گئی ہو گی۔"

" شٹ اپ۔ جب بھی بولو گے، بکواس ہی ہو گی۔"

" آں۔ ہاں۔ ہپ واقعی ایک بکواس حصہ ہے انسانی جسم کا۔"

" پھر وہی بکواس۔ کیا مار کھانے کو جی چاہ رہا ہے۔" جولیا اپنے ذہن کو نارمل رکھتے ہوئے بولی۔

" نہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ ہی تو ناشتہ کیا تھا۔ ویسے اگر چائے یا کافی کی ایک پیالی مل جائے تو ..... تو میں تھوڑی دیر کے لئے ہپ سے اپنی توجہ ہٹا سکتا ہوں۔"

" خدا سمجھے تم سے۔" کہتے ہوئے جولیا نے زاویہ بدلا اور ذرا سا اچک کر پچھلی نشست سے تھرموس اٹھا لیا۔ پھر اس نے جیسے ہی تھرموس کا ڈھکن کھولا۔ عمران نے ندیدے بچے کی طرح ایک تیز ہوائی چسکاری بھری ذرا دیر بعد ہی دونوں کافی پی رہے تھے۔

" میں نے کبھی مائی ٹائی شہر دیکھا تو نہیں ہے۔ پڑھا یہ ہے کہ کافی چھوٹا شہر ہے۔"

" آں۔ ہاں چھوٹا شہر ہے جسے تقریباً دو نہروں نے گھیرا ہوا ہے اگر دونوں نہریں غضب ناک ہو جائیں تو مائی ٹائی کا نشان بھی مٹا دیں۔"

" آخر تمہیں یہاں آنے کی سوجھی ہی کیوں۔ صبح ہی صبح مجھے بھی پریشان کیا نہ کپڑے منتخب کرنے دیئے اور نہ ہی دوسرا کام کرنے دیا۔"

" جولی ڈارلنگ۔ تم جانتی ہو فیاض میرا دوست ہے اور فیاض کے بھی چند دوست ہوں گے۔" خلاف توقع کسی حماقت کا مظاہرہ کئے بغیر عمران نے بتلانا شروع کیا ویسے بھی وہ کئی بار جولیا کے سوال کو نظر انداز کر گیا تھا۔

" میں سن رہی ہوں۔ ہاں اس کے دوست تو بہت سے ہوں گے۔"

" تیری جوڑی سلامت رہے۔ ہاں تو فیاض کا ایک ایسا ہی دوست مائی ٹائی میں رہتا ہے۔ اسکا ایک عدد سینما ہے، بازار میں کئی دکانیں ہیں۔ کئی ایکڑ زرخیز زمین کا مالک بھی ہے یوں سمجھو کہ مائی ٹائی کا پہلا سرمایہ دار آدمی ہے۔ اس کی بیٹی کو عین مہندی کی رات کسی نے ذبح کر دیا۔ اس نے فیاض سے مدد مانگی اور فیاض نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔"

" ہوں۔ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ ہم پکنک پر جا رہے ہیں۔"

" میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ اچھا بتاؤ تم اب تک بہت سے دریا، ندیاں نہریں، جنگل، باغات اور ریگستان نہیں دیکھ چکیں۔"

" دفع دور۔"

" اتنے ہے ہے۔ یہ ایشیائی عورتوں کے سے نخرے کہاں سے اپنا لئے۔"

عمران جولیا کے انداز و لہجے پر سر دھنتا رہ گیا۔

" ایشیاء ہی سے۔ کیا میں ایشین نہیں ہوں۔ کیا میں نے تمہاری تہذیب کو نہیں اپنایا۔"

" مجھے تو آج تک نہیں اپنایا تم نے۔"

" چھی چھی چھی۔ کون اپنائے گا کسی احمق کو۔"

" اپنا کر تو دیکھو۔ ساری حماقتیں حجلۂ عروسی ہی میں آزما لوں گا۔"

" شٹ اپ۔" جولیا لاجونتی کی طرح سکڑ گئی۔ اس کے چہرے پر شفق کی سی سرخی چھا گئی اور کٹورا سی آنکھیں فرطِ حیا سے جھک گئیں۔

عمران کن اکھیوں سے اس کی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا اور تیز رفتار کار مائی ٹالی شہر سے قریب تر ہوتی گئی۔

" مجھے پولیس کی کارکردگی پر کبھی کبھی تعجب ہونے لگتا ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عمران نے جولیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

" اب دیکھو ناں۔ مائی ٹالی شہر ہے ہی کتنا بڑا بمشکل ایک ہزار خاندان آباد ہوں گے مگر مس انور کا قتل ہو گیا اور پولیس قاتل کو نہیں پکڑ سکی۔"

" پولیس بھی آخر انسان ہی ہے۔ ان کے پاس الہ دین کے چراغ والا جن تو ہے نہیں جو قاتل کو پکڑ لائے گا۔"

" بھئی سبحان اللہ کیسی شاندار منطق پیش کی ہے۔" عمران جھوم جھوم اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کار کی رفتار گھٹانی شروع کر دی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ پٹرول پمپ کے بعد ہی مائی ٹالی کی حد شروع ہو گئی تھی۔

جلد ہی وہ ہاسٹل وغیرہ عبور کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ کار کا رخ جنوبی سمت تھا اس طرح بائیں جانب کی آبادی جو جھونپڑوں اور کچے پکے مکانات پر مبنی تھی غریب آباد کہلاتی۔ اسی آبادی کا اختتام مشرقی سمت کی چوڑی پاٹ والی نہر پر ہوتا تھا۔ نہر کی دوسری جانب میلوں دور تک کھیتوں اور باغات کے لامحدود سلسلے تھے۔

دائیں جانب یعنی مغربی رخ البتہ بہترین قسم کی پختہ عمارات تھیں یہی حصہ شہر کا مرکزی حصہ تھا۔ ہر طرف کا جائزہ لیتے ہوئے عمران کی نظریں ایک مدقوق سے جوان العمر شخص پر جم گئیں جو بے ساکھی کے سہارے بھی بدقت تمام چل رہا تھا۔ اس کے پیچھے چند دیگر لوگ بڑے خادمانہ انداز میں چل رہے تھے۔

عمران نے اسی مدقوق سے معذور شخص سے انور خاں کا پتہ معلوم کرنے کے لئے کار اسی کے قریب جا روکی۔

-:-

شام پانچ بجے عمران جولیانہ سمیت سرسبز لان پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ یہ لان اس نہر کے کنارے پر واقع تھا جو شہر کو جنوب مغرب کی جانب سے احاطہ کئے ہوئے تھی۔ نہر کو دور دور تک دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے ایک اژدہا رینگتے سے دوڑتا چلا جا رہا ہوں۔

جو کچھ بھی تھا۔ انور خان کی حویلی کے پشتی لان میں سبھی لوگ بیٹھے تھے۔ انور خان اور اس کے کنبے کے چند لوگ، علاقے کا پولیس انسپکٹر بھی موجود تھا اور عبدالرحمٰن پٹیل بھی۔

گو کہ بہت ہی روح پرور سماں تھا۔ پرندے پرواز کر رہے تھے۔ خوشگوار ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے اور طرح طرح کے پھولوں کی بھینی خوشبو دماغ کو معطر کئے ہوئے تھی مگر سوگوار سوگوار سے ماحول نے ہر شخص کو تصویر غم بنایا ہوا تھا۔ عمران کے متعلق یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ وہ بھی

ماحول کے گھٹے گھٹے پن سے سوگوار تھا یا بیزاری محسوس کر رہا تھا۔

عبدالرحمٰن کو انور خاں ہی نے بلوایا تھا البتہ انسپکٹر کو دارالحکومت سے خصوصی ہدایات مل چکی تھیں۔

انور خاں سے ملاقات ہوتے ہی عمران نے تفصیلات جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر انور خاں کی ضد سے مجبور ہو کر لنچ کے بعد سو گیا۔ جولیا بھی عمران ہی کے کمرے میں سوئی تھی اور پھر بیدار ہونے کے بعد غسل سے فارغ ہو کر وہ لان میں پہنچ گئے تھے۔

"پٹیل، آپ کی بیٹی نے کب خودکشی کی تھی۔" عمران سوگوار ماحول سے اپنی توجہ ہٹاتے ہوئے بولا۔

"مولانا، ذرا قبل آفیسر۔ مگر خان کی بیٹی کی ویسی ہی موت نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میری بیٹی نے خودکشی نہیں کی تھی۔"

"ہوں۔ انسپکٹر، آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ پٹیل کی بیٹی نے خودکشی کی تھی"

"میں نے یقین نہیں کیا عمران صاحب بلکہ مجھے کیس کی نوعیت بدلنے پر مجبور کیا گیا تھا۔"

"آپ کا جواب وضاحت طلب ہے انسپکٹر۔" جولیا نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا اور کن اکھیوں سے عمران کی جانب تکنے لگی۔ پھر اسے مطمئن انداز میں سر دھنتے دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہو گئی۔

"میڈم۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مس پٹیل کو کسی شقی القلب انسان نے عین مہندی کی رات ذبح کر دیا۔ اطلاع ملنے پر جب میں وہاں پہنچا تو لاش کے

گرد ایک ہجوم سا لگا ہوا تھا۔ گو کہ ہم نے نشانات کے فوٹو اٹھوا لیے تھے مگر ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ناممکن تھا۔

آخر قتل مقتولہ کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ میں نے رحمٰن پٹیل کو بہتر سمجھا کہ ہمیں قانونی کارروائی پوری کر لینے دیں، دلہن کی سہیلیوں کے بیانات لینے دیں، مقتولہ کے ماضی کے متعلق سوالات کرنے دیں مگر پٹیل صاحب بضد ہیں کہ کوئی عورت یا لڑکی پولیس کے سوالات کا سامنا نہیں کرے گی اگر وہ کسی عورت کو مجبور کر بھی دیں تو برادری میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

میں نے قریبی شہر کے پولیس ہیڈ آفس کو مکمل حالات سے آگاہ کر کے لیڈیز پولیس بھیجنے کی پرزور سفارش کی مگر میری گزارش پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ چار و ناچار مجھے بھی تمام لوگوں کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑا کہ مقتولہ مقتولہ نہیں ہے بلکہ اس نے خودکشی کی ہے۔"

"خان صاحب۔" عمران انور خاں سے مخاطب ہوا۔

"آپ آخری بار مقتولہ سے کب ملے تھے۔ میرا مقصد قتل سے پہلے کی ملاقات کا ہے۔"

"نصف گھنٹہ بھی نہیں گزرا ہوگا آفیسر۔ میں دلہن سے مل کر میں لالا میں اپنی چارپائی پر جا بیٹھا تھا۔ ایک سگریٹ ہی میں نے ختم کیا تھا کہ دولہے والیاں مہندی لے کر پہنچ گئیں۔ ابھی مہندی کے تھال دلہن تک پہنچے بھی نہ تھے کہ آہ و بکا شروع ہو گئی۔"

"آخری ملاقات میں آپ نے دلہن کو کیسا پایا۔"

"بالکل عام سی دلہنوں کی طرح لجائی لجائی سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔"

"خان صاحب آپ جہاندیدہ آدمی ہیں۔" جولیا نے سوال کیا۔

"کیا بتلا سکیں گے مقتولہ اداس تھی یا خوش و خرم۔"

"میڈم۔ آپ کے اس سوال کا جواب میری دوسری بیٹیاں باآسانی دے سکتی ہیں تاہم میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نسرین دوسری خوشی میں مبتلا تھی۔"

"دوسری خوشی سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"وہ بی اے کے امتحان میں اچھی پوزیشن سے کامیاب ہوئی تھی اور اس کی شادی میں اسی کی پسند پر کر رہا تھا۔"

"میڈم۔" رئیس عبدالرحمٰن دبی دبی مسکراہٹ سے بولا اور جولیا انور کے جواب پر کسی تاثر کا اظہار کیے بغیر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ بات مشہور ہے کہ نسرین ایک نوجوان فقیر عادل نشتر کے تعویز سے پاس ہوتی تھی۔"

"بکواس ہے۔" انور خاں غرا اٹھا۔

"وہ بھکاری، بدصورت۔ لنگڑا کیا تعویذ لکھے گا۔ یہ سب کچھ توہمات ہیں تعویذ داعویذ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ تم اس لنگڑے کی تعریف اس لیے کر رہے ہو کہ رشتے میں وہ تمہارا بھتیجا ہے۔"

پھر اس سے پہلے کہ رئیس عبدالرحمٰن بھی لہجہ بدل کر کوئی جواب دیتا جولیا فوراً بول پڑی۔

"دیکھئے حضرات۔ یہ وقت کسی پر تنقید کرنے کا نہیں ہے۔ کوئی برا ہے یا بھلا اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیئے۔ میرا اندازہ ہے مائی ٹالی میں ہماری پہلی ملاقات اسی بلند اخلاق نوجوان سے ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے ایک مرید کو ہمارے ساتھ کر کے آپ کی حویلی تک پہنچایا تھا۔ وہ مسدود ضرور ہے، غریب اور کمزور ترین انسان ہے۔ چیچک نے اسکا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ اس کے دانت بھی ناقص ہیں مگر میرا اندازہ ہے کہ وہ ہم سب سے بہتر انسان ہے۔

اسے جب معلوم ہوا کہ ہم اس شہر میں اجنبی ہیں تو اس نے کسی رئیس سے بڑھ کر ہماری آؤ بھگت کا یقین دلایا تھا۔"

"وہ بہروپیا ہے میڈم، فریبی اور مکار ہے۔ اس نے میرے پیسے سے یقیناً بھاری رقم ہتھیائی ہوگی۔"

"ہم شہر کی تفریح کو جا رہے ہیں۔" یک بیک عمران ایک طویل جماہی لے کر اٹھ گیا۔

"انسپکٹر۔ میں تھانے پہنچ رہا ہوں۔ آپ دونوں مقتول لڑکیوں کا فائل تیار رکھیں۔ آؤ جولیا۔"

"آفیسر۔" انور خاں بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا آپ تحقیقات نہیں کریں گے۔"

"ہمیں کس وقت کیا کرنا ہے یہ ہم آپ سے بہتر سوچ سکتے ہیں۔ آؤ جولیا۔ اور سنو انسپکٹر، آپ ہمارا بریف کیس یہاں سے لیتے جائیں ہم روانگی

تک ڈاک بنگلے میں ٹھہریں گے۔"

فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے عمران جولیا سمیت ایک طرف بڑھتا چلا گیا جبکہ انور خاں عمران کو نفرت اور غصے بھری نظروں سے گھورتا رہ گیا۔

٭

شہر کے کنارے تقریباً چالیس قدموں کے فاصلے پر ایک سینما ہاؤس تھا۔ ہوٹلوں، دکانوں کی بھرمار تھی لوگوں کا ہجوم سا لگا ہوا تھا اور اسپیکروں سے بلند آواز میں ریکارڈنگ ہو رہی تھی۔

عمران جولیا سمیت جیسے ہی بازار کے معروف حصے میں پہنچا، لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کے چہرے پر حماقتیں رقصاں تھیں وہ بدیدے بچے کی طرح ایک ایک چیز کو تکتا ہوا لوگوں کی نگاہوں سے بے گانہ اس پلیا کی جانب بڑھتا رہا جو شہر کے دو حصوں کو ملاتی تھی۔

یہی مائی ٹالی شہر کی دوسری شاہراہ تھی جو جنوب مغرب میں نصف میل پر ریلوے اسٹیشن پر ختم ہو جاتی تھی مگر عمران کا رخ شہر کی اندرونی جانب تھا۔

"اپنا حلیہ درست کر دو مردود تمہارے ساتھ میں بھی تماشا بن رہی

ہوں۔،، چلتے چلتے جولیا نے دبے لہجے میں سرزنش کی۔

" انسانی زندگی بذات خود ایک تماشہ ہے ڈارلنگ۔ بس سمجھ لو تم ایک ایسے باغ میں داخل ہو گئی ہو جہاں تمہارے علاوہ باقی سب جانور ہیں۔،،

" جہنم میں جاؤ میری بلا سے۔،،

" فی الحال میں فقیر عادل سائیں کی بھیک میں جا رہا ہوں۔،،

" کیوں۔ ایکا ایکی تمہیں وہاں جانے کی کیا سوجھی۔،،

" مجھے فقیروں اور درویشوں سے بے انتہا عقیدت ہے جولیا۔ کنفیوشس نے کہا تھا کہ اگر اللہ کو پانا ہو تو فقیروں کی محبت اختیار کرو۔،،

" اے وہ۔ وہ افیونچی خدا کو مانتا ہی کب تھا۔،،

" اپنی اپنی۔،، جملہ مکمل کئے بغیر عمران اس ہجوم کی طرف متوجہ ہو گیا جو لب سڑک ایک بڑے سے جھگی نما رستوران کے سامنے جمع تھا بہت سے لوگ دور ہی رہ کر تماشہ دیکھ رہے تھے ان میں چند باوردی پولیس والے بھی تھے۔

عمران کے یوں خاموش ہو جانے پر جولیا بھی اسی جانب متوجہ ہو گئی۔ پھر ایک عجیب سا منظر دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی۔

وجہ بھی معقول تھی۔ بیساکھی کے سہارے چیچک کے داغ والا مدقوق نوجوان فقیر عادل ایک اور دبلے پتلے لنگڑے کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ دور ہی سے جولیا نے فقیر عادل کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ لئے

تھے۔ اس نے عمران کو ایک نظر دیکھا اور غیر ارادی طور پر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دونوں معذور انسانوں کے قریب پہنچ گئی۔ تمام تماشائی جولیا کو پتھرائی ہوئی نظروں سے تک رہے تھے۔

" کیسے کتنے بڑا فقیر بنتا پھر رہا ہے۔ کیا نسرین کو میں نے قتل کیا تھا۔"

" تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سپرمین۔ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے بلکہ چند دوسرے لوگوں نے کہے تھے۔،، فقیر عادل عاجزانہ لہجے میں بولا۔

" یہی تو میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کا اتہ پتا بتاؤ ورنہ تمہاری دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گا۔،،

" معاف کر دو سپرمین آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے دوسروں کو عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔"

" اے لنگڑے۔،، جولیا اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے سپرمین سے مخاطب ہوئی۔

" کیوں پریشان کرتا ہے فقیر کو۔،،

" مس صاحبہ۔،، سپرمین کے کچھ بولنے سے پہلے فقیر عادل لرزتی آواز میں بولا۔

" آپ ہماری مہمان ہیں۔ خدارا یہاں سے چلی جائیں۔ یہ سپرمین ہے یہاں کی پولیس بھی اس سے ڈرتی ہے۔،،

" میرے سوال کا جواب دے سپرمین۔ اس فقیر کو کیوں تنگ کر رہا ہے۔،، جولیا فقیر عادل کی التجا کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی

محسوس کئے بنا نہ رہی کہ مجمع خوفزدہ ہو کر منتشر ہونے لگا ہے۔

اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ لنگڑا سپرمین جو چار فٹ کے ایک موٹے ڈنڈے کے سہارے کھڑا تھا بڑی ہی خونخوار نظروں سے جولیا کو تکنے لگا تھا اس کا چہرہ بھی حد درجہ بھیانک ہو گیا تھا۔

"تو کون ہے چھوکری اور اس مکار سے تیرا کیا تعلق ہے۔"

"زیادہ ٹیں ٹیں نہ کر اور اپنا راستہ لے۔ تو شہر کوتوال تو نہیں کہ تیرے سوال کا جواب دیا جائے۔ آئیے فقیر سائیں۔"

"رک جا تو لڑکی۔" یک بیک سپرمین لنگڑے نے اپنا ڈنڈا جولیا اور عادل فقیر کے درمیان تان لیا۔

"تو نے میری بے عزتی کی ہے اور اس مکار لنگڑے کی وجہ سے۔ لہٰذا تجھے حکم دیتا ہوں پرے ہٹ جا اور اپنے فقیر کے ہاتھ پیر ٹوٹنے کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ۔"

"ارے چلا جا لنگڑے شیطان ورنہ مفت میں خوار ہو گا۔" جولیا کا جملہ مکمل ہوا اور لنگڑے سپرمین کا ڈنڈا بلند ہوا۔ فقیر عادل کے چہرے پر مردنی چھا گئی اس لئے کہ ڈنڈا اسی کے گھٹنے کی طرف لپکا تھا۔

مگر آن واحد میں جولیا نے اچھل کر پیر کی ٹھوکر لنگڑے سپرمین کی ہیپ پر رسید کر دی۔

وہ اچھل کر گر پڑا، ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور فقیر عادل حیرت و تشکر بھری نظروں سے جولیا کو گھورتا رہ گیا۔

"سپرمین۔ اگر تجھ میں رتی برابر شرم ہو گی تو اس شہر میں نظر نہیں آؤ گے آئیے فقیر سائیں۔" کہنے کے ساتھ جولیا لاپروا سی مڑی۔

"خوبصورت چھوکری۔" زمین پر پڑا ہوا لنگڑا سپرمین کھسکنے کی طرح غرایا

"یاد رکھ اس مکار کو اپنے ساتھ لے جاؤ مگر یاد رکھنا مالی ٹالی شہر ہمارا قبرستان ثابت ہو گا۔"

جولیا حقارت سے ہنسی اور نفرت سے منہ سکیڑ کر عادل فقیر سمیت سڑک کی طرف مڑی۔ [illegible] دور تک عمران کی صورت نظر نہ آئی۔

کہاں مر گیا بخت۔ اس نے دل ہی دل میں سرگوشی کی اور پھر خود ہی سر جھٹک کر عادل فقیر کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ تمام لوگ رشک و حسد بھری نظروں سے عادل و لنگ [illegible] تھے۔

سورج غروب ہوگیا اور جولیا فقیر عادل کے ہمراہ اس کی بیٹھک میں بیٹھی رہی۔ اس سے پہلے عادل فقیر کے بیحد اصرار پر جولیا تانگے میں بیٹھ کر مالی ٹالی شہر گھومتی رہی تھی۔ عادل اس کے ہمراہ تھا اور اس نے آداب میزبانی میں کوئی کسر نہیں دی۔ پورے مالی ٹالی شہر میں یہ بات پھیل گئی کہ ایک بہت ہی حسین لڑکی عادل فقیر پر عاشق ہوگئی ہے۔ جو لوگ فقیر عادل کے معتقد تھے وہ تعریف کرتے اور جو لوگ عادل کے مخالف تھے وہ پھبتیاں کستے کوئی کہتا حور کے پہلو میں لنگور اور کوئی کہتا گنجے کو خدا نے ناخن دے دیئے ہیں۔

بہرحال فقیر عادل کی بیٹھک میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں میجر ادریس، سہیل اور سلیم کو اہمیت حاصل تھی اس لئے کہ یہ لوگ وہ تھے جو عمران کے ساتھ جولیا کے کئی کارنامے پہلے ہی پڑھ چکے تھے اور عادل کے دوستوں میں ان کا شمار تھا۔

"میڈم۔" عادل چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بولا۔

"عمران صاحب کہاں ہیں۔ سب لوگ ان سے ملنے کو بے چین ہیں۔"

"پتہ نہیں فقیر سائیں وہ احمق کہاں غائب ہوگیا۔"

"ان کا آپ کے ہمراہ ہونا بہت ضروری ہے میڈم۔"

"کیا مطلب۔ میں سمجھی نہیں۔"

"میرا اشارہ سپرمین کی طرف ہے میڈم۔ نہ جانے کیوں وہ آپ سے مات کھا گیا ورنہ آج تک بڑے بڑے جیداروں اور طاقتور لوگوں نے بھی اس کا بال بیکا نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ ایک ہی چوٹ میں وہ ساری شیخی بھول گیا۔"

"ہوں۔ کیا وہ اتنا ہی خطرناک شخص ہے۔؟"

"بہت خطرناک کہئے میڈم۔ بپھرا ہوا گینڈا سمجھ لیں اسے۔ لڑائی بھڑائی کے معاملے میں اتنا تیز ہے کہ پاگل اونٹ کو بھی لمحوں میں گرا دیتا ہے۔ آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ یہاں کی پولیس بھی اسے سلام کرتی ہے۔"

"فقیر سائیں۔ کیا سپرمین کے مقتولہ لڑکیوں سے تعلقات رہے ہیں!"

"پتہ نہیں میڈم۔ ویسے مشہور یہی ہے کہ وہ ہر راہ چلتی دوشیزہ کو خاص طور پر دونوں مقتول لڑکیوں کو بہت چھیڑتا تھا۔"

"تو کیا رئیس عبدالرحمٰن یا انور خاں نے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔"

"صرف ایک بار۔ انور خاں نے ڈپٹی کمشنر سے شکایت کر کے ایک

ہفتہ کے لئے سپرین کو بند کروا دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس روز وہ رہا ہوا اسی رات انور خاں کے سینما کو کسی نے آگ لگا دی، کھلیان کو کسی نے پھونک دیا اور ساٹھ ہزار کی کاندی میں غرق کر دی۔

اسی رات رئیس عبدالرحمٰن کو ایک گمنام فون رسیو کرنا پڑا تھا کسی شخص نے رئیس کو تنبیہ کیا کہ اگر اس نے پولیس کو مطلع کرنے کی حماقت کی تو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"تعجب ہے۔ اگر سپرین اتنا ہی خوفناک شخص ہے تو اسے شہر بدر کیوں نہیں کیا جاتا۔"

"یہ جواب تو آپ کو ڈی سی صاحب ہی بہتر طور پر ....." فقیر عادل کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ....

"سلام علیکم حاضرین۔"

حماقت بھری آواز سنکر سبھی لوگ دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عمران ہی تھا، چہرے پر بیوقوفی برس رہی تھی اور ہونٹ جگالی کرنے میں مصروف تھے۔

بدقت تمام لوگوں نے ہنسی روکی اور بیک زبان جواب دیکر اخلاقاً اٹھ کھڑے ہوئے پھر ہر ایک سے بغلگیر ہونے اور خیریت دریافت کرنے میں عمران نے دس منٹ ضائع کر دیئے اور دس منٹوں میں جولیا مسلسل کھولتی رہی تھی۔

"مسٹر عادل ..." بیٹھتے ہی عمران مقصد پر آگیا۔

"آپ نے اس عمر میں فقیری لائن کیوں اختیار کر لی ہے۔"

"میری کایا دیکھ رہے ہیں آپ ... میں کسی قابل بھی ہوں؟ ایک ٹانگ میری اس قدر ناکارہ ہے کہ میرا وزن بھی نہیں سہار سکتی۔ میں صرف بائیں کروٹ سوتا ہوں اور صبح تک بائیں کروٹ ہی رہتا ہوں اس لئے کہ میرا دایاں سائیڈ بے کار ہے، میں اپنی ہمت سے پہلو تک نہیں بدل سکتا۔ میری خوراک بھی آپ دیکھ رہے ہیں چوبیس گھنٹے چائے پیتا ہوں اور تپتے کی بڑیاں پھونکتا ہوں۔ میری مثال ایک زندہ لاش کی سی ہے عمران صاحب۔ آپ کا معاشرہ مجھے قبول نہیں کرتا۔ اعلیٰ سوسائٹی اور اچھی شکل وصورت جسامت اور صحت کے انسان مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر اپنے خالق حقیقی ہی کا نہ رہتا تو اس کے علاوہ کیا کرتا۔"

"رئیس عبدالرحمٰن سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔؟"

"ویسے تو وہ میرے چچا ہیں مگر دولت، غرور اور اچھی صحت نے انہیں مجھ سے بہت دور کر دیا ہے۔"

"آپ کے کتنے بھائی ہیں۔"

"تین۔ تینوں مجھ سے چھوٹے ہیں۔"

"کیا آپ نے شادی کی ہے۔؟"

"شادی۔ مجھ ناکارہ، بدصورت اور مجہول شخص سے کون شادی کرے گا جناب کون مجھے اپنی بیٹی دیگا۔"

"شکریہ عادل۔ اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔" کہتے ہوئے عمران جولیا کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لاتعداد

مجھ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنا میوزک بند کرنے پر تیار نہ تھے۔

"ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ کم از کم ماحضر ہی طناول کر لیتے۔"

"کیا طناول کر لیتے۔"

"ماحضر۔" عادل نے بے ساختگی میں جواب دیا۔

"چل ادھر۔" کہتے ہوئے عمران نے جولیا کی کلائی پکڑی اور ہر اک کو بھونچکا چھوڑ کر دروازے سے نکلا چلا گیا۔

-✕- -✕- -✕- -✕-

ڈاک بنگلہ جنوبی سمت شہری آبادی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا الیکٹرک سپلائی لائن تھی مگر روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا چھایا رہتا۔ صرف ڈی سی کے بنگلے میں روشنی نظر آتی یا پھر اگر ڈاک بنگلے میں کوئی ٹھہرا ہو تو برقی قمقمے روشن نظر آتے۔

شب کے نو بج رہے تھے محسوس یوں ہوتا جیسے آدھی رات کا سماں ہے۔ ڈاک بنگلے کا مالی وہیں بڑے پھاٹک کے ساتھ اندرونی جانب کی انٹیلر کی بنی ہوئی کوٹھڑی میں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ ڈاک بنگلے کے پورچ میں ڈھائی سو وولٹ کا بلب روشن تھا اور اندرونی جانب کے پانچ کشادہ کمروں میں سے صرف ایک کمرے میں روشنی تھی۔

عمران و جولیا بالمقابل کرسیوں پر بیٹھے تھے اور میز پر متعدد کاغذات اور فوٹوگراف پھیلے ہوئے تھے۔ جولیا باری باری ان دو فوٹوؤں کو بڑے انہماک

سے تک رہی تھی جو پولیس انسپکٹر نے کیس کے مکمل فائل سمیت عمران کو دیئے تھے پہلا فوٹو شاردا کی لاش کا تھا۔ اسکا نرخرہ کٹا ہوا تھا اور ایک ہاتھ میں چھری دبی ہوئی تھی۔ دوسرا فوٹو انور خاں کی بیٹی نسرین کا تھا۔ اسکی گردن بھی نرخرے کی جانب سے کٹی ہوئی تھی اور مٹھی میں چھری دبی ہوئی تھی۔

بظاہر یہی لگتا کہ دونوں لڑکیوں نے خودکشی کی ہے مگر واردات کی یکسانیت بہیمانہ قتل کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

قطع نظر اس کے عمران بیانات اور نشانات کے پرنٹس میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے تمام بیانات پڑھ لیے تھے اور دو پرنٹس سامنے رکھے باری باری انہیں بڑی توجہ سے دیکھنے لگا۔ کبھی کبھار محدب عدسہ کے ذریعے بھی دیکھ لیتا صرف اس لیے کہ دونوں میں یکسانیت تھی۔

پہلا پرنٹ وہ تھا جو شاردا کے قتل کے وقت پولیس نے حاصل کیا اور دوسرا پرنٹ نسرین کی لاش کے قریب سے حاصل کیا گیا تھا۔ یوں تو متعدد پرنٹ تھے مگر ان دو کو خصوصیت حاصل تھی۔

کسی کے پیروں کے نشانات تھے کسی ایسے انسان کے جس نے پیروں میں عجیب ساخت کا جوتا پہنا ہوا تھا۔ جوتے کا تلوا پیل پایان کے تپے کی طرح تھا اور ایڑی کسی بھگ گھوڑے کے نعل کی طرح کی کوئی چیز لگی ہوئی تھی۔

"جولیا۔" کافی دیر کی پراسرار خاموشی کے بعد عمران نے جولیا

کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"تم صبح کو رئیس عبدالرحمٰن کے گھر جاؤ گی۔ تمہیں ان لڑکیوں کو ٹٹولنا ہے جو مہندی کی رات مقتولہ شادرا کے ساتھ تھیں۔ تمہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی ہر وہ سوال پوچھنا ہے جو کسی انسان کو مایوس کر دیتا ہے اور وہ خودکشی جیسے فعل کا مرتکب ہو جاتا ہے۔"

"تو۔ تو کیا تم شادرا کی موت کو خودکشی ہی سمجھ رہے ہو۔"

"سوال نہ کرو۔ ایکٹو سے تمہیں اس لئے نہیں مانگا کہ اپنی زبان کو چھوڑ دو۔"

"ارے مسٹر۔ اپنا لہجہ درست رکھو میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں"

"اف۔" عمران اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ جولیا اکھڑ چکی ہے۔

"میں کب تمہیں ملازمہ کہہ رہا ہوں۔ ارے تم تو میری منکوحہ ہو۔ نہیں شاید مربوطہ کہتے ہیں۔"

"تمہارا سر کہتے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔"

کہتے ہوئے جولیا اٹھ کھڑی ہوئی اور برستی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ عمران نے اسے روکنے کی کوشش اس لئے بھی نہیں کی کہ وہ تمام بیانات کو پوری یکسوئی کے ساتھ پڑھنا چاہتا تھا۔

بہرحال عمران کے کمرے سے نکل کر جولیا لمحہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازہ پلٹ کر کے پردہ گرایا اس سے پہلے وہ کمرے کی روشنی آن کرتی نہیں بھولی تھی۔ پھر پشتی کھڑکی کھول کر لباس بدلے بغیر مسہری پر دراز ہو گئی۔

چند ہی لمحوں بعد جب ذہن پر غنودگی محسوس کی تو کمرے کی مین روشنی بجھا کر زیرو وولٹ بلب روشن کیا اور دوبارہ مسہری پر دراز ہو گئی۔

کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر بے پناہ اندھیرا تھا۔ مینڈھک ٹرٹرا رہے تھے اور بھیگی بھیگی ہوائیں زناٹے پیدا کر رہی تھیں۔ مچھروں کی بھرمار تھی شاید اس لئے کہ شہر میں گندے پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام نہ تھا جا بجا جھیلیں سی لگی ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں شہر کی دو سمتوں میں نہریں تھیں اور باقی پورے اطراف میں کھیتوں اور باغات کا ایک طویل سلسلہ تھا۔

جو کچھ بھی تھا اگر مسہری پر مچھر دانی آویزاں نہ ہوتی تو جولیا ایک لمحہ کو چین نہ کر پاتی۔

وقت گزرتا گیا اور جولیا کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی گئیں پھر پانچ منٹ بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

ابھی اسے سوئے ہوئے ایک گھنٹہ سی گذرنے پایا تھا کہ اچانک بیرونی کھڑکی پر ایک سایہ نظر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سایہ واضح ہو گیا۔ نہ جانے وہ کون تھا اس کا پورا چہرہ ربڑ کے ٹوپ نما نقاب میں ڈھکا ہوا تھا حتیٰ کہ آنکھوں کی جگہ بھی شفاف سا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

چونکہ کھڑکی زمین سے چار فٹ اونچی تھی اس لئے پراسرار نقاب پوش کا

سر اور کندھے زیرو وولٹ روشنی میں صاف نظر آئے۔ وہ مسہری پر بے سدھ سوئی ہوئی جولیا کو ہی تک رہا تھا۔ نیند کی غفلت میں جولیا کی شلوار گھٹنوں تک چڑھ گئی تھی۔ سر کے بال مخملی چادر کی طرح مسہری پر بکھرے ہوئے تھے اور گداز سینہ صبر آزما انداز میں دھیرے دھیرے پھول پھول کر پچک رہا تھا۔

اچانک پراسرار نقاب پوش کسی بندر کی طرح اچھل کر کھڑکی کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا۔ حیرت انگیز طور پر ہلکی سی آواز بھی نہیں ہوئی۔ دوسرے لمحے وہ کمرے میں تھا اس کے جسم پر زمین تک جھولتا ہوا سیاہ لبادہ پہنا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی سیاہ لبادے میں چھپے ہوئے تھے۔

چند لمحے وہ ساکت و جامد رہا اور پھر کسی بدروح کی طرح قدم قدم جولیا کی طرف بڑھا۔

اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرتے ہی عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ گھڑی میں وقت دیکھا نو بجے کے دس بج رہے تھے۔ اس نے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات اور پرنٹس سمیٹے، فائل میں ڈالے اور لائیٹ آف کر کے کمرے سے نکل چلا گیا۔

ذرا دیر بعد وہ چوکیدار کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑا ہوا نظر آیا۔ چوکیدار پہلی ہی آواز پر بیدار ہو گیا۔ آنکھیں ملتا ہوا عمران کے سامنے کھڑا تھا۔

"رحمت۔ میں تھانے تک جا رہا ہوں۔ اگر میری ساتھی پوچھے تو بتلا دینا۔"

"اچھا صاحب جی۔ کیا آپ واپس نہیں آئینگا۔" دراز قد بھاری بھرکم چوکیدار نے بھاری بھرا سی لہجے میں پوچھا۔

"ہائیں۔ ہم واپس کیوں نہیں آئیگا کیا تمہاری بکری چرالی ہے۔"

"ہی ہی ہی۔ صاحب آپ تو مذاق بھی کرتا ہے۔"

عمران کی رگ شرارت پھڑکی مگر پھر سر جھٹک کر گیٹ سے باہر نکلا چلا گیا

بنگلے سے باہر نکلتے ہی اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اجاڑ جنگل میں آگیا ہو۔ صرف آوازیں ہی تھیں۔ حشرات الارض کی خوابیدہ پرندوں کی یا پھر مینڈھکوں کی۔ ہوا تیز تھی۔ اطراف کے درخت کسی چڑیل کی طرح ڈول رہے تھے۔ ایسے میں عمران خود بڑی سنجیدگی سے اپنی نوعیت کا مظلوم ترین الو سمجھنے لگا تھا۔

مختلف سنسان راستوں سے گزر کر وہ شہر کے بارونق حصے میں پہنچ گیا حالانکہ یہاں کی رونق بھی صرف روشنیوں کی حد تک تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے متعدد بسیں اور ٹیکسیاں دوسرے شہروں اور گاؤں کی جانب آتی جاتی تھیں۔ گنتی کے چند ہی لوگ نظر آئے اور اسٹاپ پر ایک ہی بس کھڑی ہوئی تھی۔

اپنے اطراف کا اچٹتا سا جائزہ لے کر عمران جیوگم گچھتا ہوا تھانے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ راستے میں جو بھی کانسٹیبل نظر آیا وہ عمران کو سلام ضرور کرتا۔

تھانے پہنچ کر ہیڈ محرر سے معلوم ہوا کہ صوبیدار گھر پر ہیں اور نائب صوبیدار شہر کا گشت لگانے گئے ہیں۔

"ستو سرفراز۔" عمران ہیڈ محرر سے مخاطب ہوا۔

"کوئی ایسا آدمی میرے ساتھ کر دو جس نے لنگڑے سپرمین کا گھر دیکھا ہو"

"ابھی لیجئے صاحب۔" مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرفراز نے فتح نام کے ایک کانسٹیبل کو آواز دی۔

"یس سر۔" فتح مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا قریب پہنچ گیا مگر عمران پر نظر پڑتے ہی اٹینشن ہو گیا۔

"عمران صاحب کو لنگڑے سپرمین کا گھر بتلا دو۔"

"چلیئے صاحب۔" فتح نے مؤدبانہ کہا۔

عمران ایک طویل جماہی لے کر کھڑا ہوا۔ ایک بار وہ تاریک اور سنسان گلیوں میں چکراتا رہا۔ آوارہ کتوں کی غراہٹیں ماحول کو مزید بھیانک بنائے ہوئے تھیں۔

"فتح۔ لنگڑے سپرمین کا اصل نام کیا ہے۔"

"یوسف جناب۔"

"ہوں۔ وہ سپرمین کب سے بنا۔؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں سر۔ میں دو برس پہلے ہی یہاں تعینات ہوا ہوں اس وقت سے میں اسے سپرمین ہی سنتا آیا ہوں۔"

"کیا تم بتلا سکو گے اسے سپرمین کیوں کہا جاتا ہے!"

"سر۔ وہ ہے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ اور معذور بھی مگر بہت طاقتور ہے سنا یہ جاتا ہے کہ برٹش کارنیوال کا وہ ماہر باز یگر تھا۔ جمناسٹک میں ماہر ہے بلند ترین جگہوں پر بندر کی طرح چڑھ جاتا ہے، بلندیوں سے زمین کی طرف چھلانگ لگا دیتا ہے۔ کارنیوال میں اکثر ببر شیروں اور ریچھوں سے مقابلہ کیا کرتا تھا۔

کہتے ہیں ایک بار چلتی ٹرین سے چھلانگ لگائی تھی اور اندازے کی ذرا سی غلطی میں ٹانگ کھو بیٹھا۔ اس کے باوجود میں نے اسے بہت تیز دوڑتے دیکھا ہے سر۔ وہ کئی بار دوڑ میں انعام حاصل کر چکا ہے۔"

"لوگ اس سے ڈرتے کیوں ہیں؟"

"وہ بہت ہی خودسر ہے جناب۔ اسے ڈی سی کی لشپت نیا ہی جو حاصل ہے ویسے وہ بہت اچھے کام بھی کرتا ہے۔ مثلاً بڑے بڑے نامی گرامی چوروں کو قانون کے سپرد کر چکا ہے۔ پسینہ سونگھ کر مجرم کی نشاندہی کر دیتا ہے۔"

"اوہ۔ تو پھر اس نے رئیس عبدالرحمٰن اور انور خاں کی بیٹی کے قاتل کی نشاندہی کیوں نہیں کی۔"

"ہمارے صاحب نے اسے کھوج لگانے کو کہا تھا صاحب مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ کہتا ہے رئیس ایک حرام خور اور مغرور انسان ہے اور نسرین بھی ایک خودسر مغرور اور غریبوں و ناداروں سے نفرت کرنے والی لڑکی تھی۔ رئیس عبدالرحمٰن اور خان انور سے دو تین بار اندر کروا چکے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں جو ایک شریف انسان ہوں۔ اسے جن لوگوں نے ہسٹری شیٹر بنایا ہے ان کا خون تو پی سکتا ہوں ان سے کوئی ہمدردی نہیں کر سکتا۔ یہ رہا سپرمین کا مکان۔"

دوران گفتگو وہ ایک بہت ہی تاریک اور ویران محلے میں پہنچ گئے تھے چاروں طرف جھونپڑیاں اور کچے پکے مکان تھے۔ کسی کسی کچے مکان میں الیکٹرک نظر آتی ورنہ گھپ اندھیرا تھا۔ مچھروں کی اس قدر بہتات تھی کہ عمران ناک پر ہاتھ رکھے سانس لے رہا تھا۔ بدبو بھی ناقابل برداشت تھی۔

نیم پختہ مکان کے اندر لالٹین کی ایک مدہم روشنی محسوس ہو رہی تھی اندر سے چند مردانہ آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"آواز دو سپرمین کو۔" عمران منہ پر رومال رکھے بولا۔

"سپرمین دروازہ کھولو۔" فتح نے دروازہ دھڑا دھڑ کر پکارا۔

"اندرونی جانب سے آوازیں بند ہو گئیں۔ ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور ایک بھاری بھرکم شخص نمودار ہوا۔ اس نے باری باری فتح اور عمران کا جائزہ لیا پھر مؤدبانہ انداز میں مخاطب ہوا۔

"فرمائیے۔"

"صاحب سپرمین سے ملنا چاہتے ہیں۔" فتح نے عمران کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہے۔ آئیے بیٹھئے آ ہی جائے گا۔"

"کہاں گیا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"پتہ نہیں صاحب۔ وہ کسی کو بتلا کر نہیں جاتا۔"

"کب تک آنے کی توقع ہے۔"

"اگر وہ اسی شہر میں ہے تو ابھی آیا ہی چاہتا ہے۔ آپ اندر آ جائیں صاحب۔"

"اوہ۔ اچھا فتح تم جاؤ۔ میں سپرمین سے مل کر ہی جاؤں گا۔" کہتے ہوئے عمران مکان میں داخل ہو گیا اس نے فتح کے رخصتی سلام پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی۔!

معاً جولیا نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس قدر حساس تھی کہ اپنے چہرے پر تنفس کی گرمی محسوس کر کے بیدار ہو گئی۔

آن واحد میں اس کے سر سے نیند کا خمار اتر گیا وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس نقاب پوش کو تکنے لگی جو اس کے بیدار ہونے سے سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔

غیر متوقع طور پر عجیب ہیئت کے انسان کو دیکھ کر جولیا کے وجود میں خوف کی تیز سنسنی دوڑ گئی تھی مگر چند لمحوں میں وہ اپنی حالت پر قابو پا گئی۔

"سلام عرض کرتا ہوں مس جاسوسہ۔" پراسرار نقاب پوش پراسرار لہجے میں بولا جولیا نے محسوس کیا وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا ہے

"شکریہ۔ بیٹھو۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں۔" یک بیک جولیا مسکرا اٹھی وہ ایک تو بہ شکن انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔

"فضول ہے مس جولیا۔ عمران تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا بلکہ اسے

کسی کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔"

"ارے چھوڑو اس احمق کو۔ وہ ہمیشہ ایک ہی روپ میں رہتا ہے جبکہ تم جیسے لوگوں کو بہت پسند کرتی ہوں۔"

جولیا کا لہجہ ایسا تھا کہ پراسرار نقاب پوش بھونچکا رہ گیا۔ اس کی سانسیں بڑھنے لگیں

"مم، مس۔ کیا تم ... سچ کہہ رہی ہو۔؟"

"ارے بیٹھ بھی جاؤ اتنے بے چین کیوں ہو رہے ہو۔ کم از کم اپنا تعارف تو کروا دو۔"

"مم .... میں ... میں ایک مشت خاک ہوں جولیا ڈارلنگ مجھے سماج کے طوفانوں نے ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑایا ہے۔ بہت پیاسا ہوں مجھے صرف محبت چاہیئے۔ ایک ایسا حسین ساتھی جس کی ریشمی زلفوں سے کھیل سکوں جس کی پرسکون آغوش میں سکھ کے چند سانس لے سکوں۔"

"بس۔ بس، تم نے تو شاعری شروع کر دی۔" جولیا ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ ڈارلنگ۔ چلو، میرے ساتھ بھاگ چلو۔ میں دنیا جہاں کی نعمتیں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔"

"ہوں۔ کافی برخوردار ہو۔ اچھا بتاؤ یہ چوروں کی طرح میرے کمرے میں کیوں آئے ہو۔ یہ بہروپ کیوں بھر رکھا ہے۔" جولیا عام لب و لہجہ میں بات کر رہی تھی اسے توقع تھی کہ عمران جاگ رہا ہو گا اور شب کے سناٹے میں دونوں

کی آواز میں بخوبی سن چکا ہوگا۔

نقاب پوش کو دیکھتے ہی پہلا خیال اس کے ذہن پر یہی ابھرا تھا کہ یہی دو معصوم لڑکیوں کا قاتل ہے اور جولیا کو بھی عام سی لڑکی سمجھ کر اسے قتل کرنے پہنچا ہے۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ جولیا۔ میں رات کے اندھیرے میں یہ بہروپ بھر کر کھڑکی کے راستے تمہارے کمرے میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا والے مجھے نہ دیکھ سکیں تمہاری رسوائی نہ ہو تم میرا اصل چہرہ دیکھ کر مجھ سے نفرت نہ کر سکو۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے عمران کے کمرے میں ایک سانپ ڈال دیا تھا۔ چونکہ نہیں ڈارلنگ اس سانپ کا ڈسا ہوا آہ بھی نہیں کر سکتا۔"

جولیا اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہوگئی اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گذر گیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ جولیا۔" معاً پراسرار نقاب پوش نے جولیا کو دھکا دیا۔

چونکہ جولیا اس قسم کی سچویشن کے لئے بالکل آمادہ نہ تھی اس لئے مسہری پر بیٹھنے انداز میں گر پڑی۔

ایک لمحہ کے دسویں حصے میں وہ بھیڑنی بن گئی۔ اس کے چہرے پر ایک عزم جھلک آیا۔

"تمہارے نام کو مصنفین نے مفت کا ہوا بنایا ہوا ہے جولیا۔ آج مجھے یقین ہوگیا کہ تم عمران کو بہت چاہتی ہو اور، جسے میں چاہنے لگوں اس پر کسی دوسرے مرد کا سایہ بھی پڑنے نہیں دیتا۔"

مگر، تمہارے سامنے بے بس ہوں۔ لو یہ چھری اور مجھے اپنے ہاتھوں

زندگی کے عذاب سے نجات دلا دو۔ محرومیاں میرا مقدر بن چکی ہیں۔ میں تمہارے بغیر زندہ بھی رہنا نہیں چاہتا۔"

"لاؤ مجھے دو چھری۔" جولیا جنگلی بلی کی طرح غراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اس کے ذہن پر ویسے ہی طوفان سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ گو کہ اسے عمران کی چھٹی حس پر مکمل اعتماد تھا اس کے باوجود وہ بے چین تھی۔

"لو میری جان۔" پراسرار نقاب پوش نے واقعی چھری جولیا کے ہاتھ میں تھما دی اور، آن واحد میں جولیا پر جھپٹا مارا مگر، جولیا ہوا کے بگولے کی طرح جھکی اور چکنی مچھلی کی طرح نقاب پوش کی گرفت سے نکل گئی۔

"مکار انسان۔ تو، اپنے آپ کو اسی طرح مظلوم ظاہر کر کے بھیڑیا پن دکھلاتا ہوگا۔ مظلوم بھیڑیا بن کر ہی تو نے دو معصوم زندگیوں کو مٹایا۔ آج۔ آج میں تجھے مٹاؤں گی۔ تیرا ریشہ ریشہ تک ادھیڑ دوں گی۔" کہنے کے ساتھ ہی جولیا نے چمکتی ہوئی تیز دھار چھری کو مسہری کی دوسری جانب اچھال دیا۔

ٹھیک اسی لمحے نقاب پوش کسی بھیڑیئے کی طرح غراتا ہوا جولیا پر جھپٹا۔ وہ گیند کی طرح اچھلا بادل کے سیاہ ٹکڑے کی طرح جولیا پر لپکا مگر جولیا کسی بندریا کی طرح اچھل کر پائنتی جانب نکلی چلی گئی جبکہ سیاہ پوش زوردار دھماکے سے دیوار سے ٹکرا گیا اور حیرت انگیز پھرتی سے قلابازی لگا کر پیروں کے بل کھڑا ہوگیا۔

ابھی اس کے پیر زمین سے ٹکے ہی تھے کہ وہ پھر اچھلا اس کی پھرتی دیکھ کر جولیا کی آنکھیں پھیل کر رہ گئیں اس لئے کہ وہ ابھی سنبھلی بھی نہ تھی کہ حملہ آور

موت کے فرشتے کی طرح اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے فوراً غوطہ لیا اور برقی سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسکا پروگرام یہی تھا کہ حملہ آور کی ٹانگیں پکڑے گی مگر حملہ آور نے وہیں قلابازی لگا کر اپنے دونوں ہاتھ جولیا کی گردن میں جما دیئے۔

پوزیشن یہ تھی کہ اس کی ٹانگیں چھت کی جانب تھیں۔ سر جولیا کے سر پر ٹکا ہوا تھا جولیا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن آہنی شکنجے میں جکڑ گئی ہو۔ حالانکہ نقاب پوش زیادہ وزنی نہ تھا لیکن جیسا کہ جولیا کی سانس گھٹنے لگی تھی اس کی دونوں ٹانگیں لرزنے لگیں اور آہستہ آہستہ اس کے گھٹنوں میں بل آتا گیا۔

"مجھے تختہ دار تک پہنچانے آئے تھے تم دونوں۔" نقاب پوش بھیانک ترین لہجے میں بولا۔

"لیکن اب یہاں کی پولیس تم دونوں کی لاشیں دارالحکومت بھیجنے کے انتظامات کرے گی۔"

وہ کل پانچ آدمی تھے۔ ایک تو وہی جو عمران کے ساتھ تھا باقی چار چارپائیوں پر بیٹھے تھے مگر عمران کی آمد پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

چھت کے ساتھ دو لالٹینیں لٹک رہی تھیں اور پورے کمرے میں چرس کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ مدھم روشنی میں سگریٹوں کا دھواں چکرا رہا تھا اور مچھر پورے جوش و خروش سے جلترنگ بجا رہے تھے۔

عمران نے ملاقات میں بڑی گرم جوشی دکھلائی اس کے چہرے اور تاثرات سے یوں لگتا جیسے وہ موجودہ ماحول کا عادی ہو۔

"مہمان سائیں آپ دم شم لگائینگا۔" گھنی مونچھ والا بولا۔

"نہیں یار وہیں چرس نہیں پھونکتا۔ ویسے یہ تعجب خیز بات نہیں ہے کہ تم اس آزادی سے چرس پھونک رہے ہو۔"

"نہیں سائیں اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ تم بولیں گا تو ہم تمہارے

مین مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا کر آگے بڑھا۔

"وعلیکم السلام۔ بھئی بڑا انتظار کروایا۔ کہاں چلے گئے تھے۔"

"بس، ایسے ہی ذرا قبرستان چلا گیا تھا۔" کہتے ہوئے سپرمین بالمقابل پائی پر بیٹھ گیا۔ وہ عمران سے نظریں چرا رہا تھا ویسے اس کے چہرے پر غصہ جھلاہٹ کے آثار صاف محسوس کئے جا سکتے تھے۔

"کیا کوئی مر گیا تھا۔؟"

"مرنے والی تو بہت پہلے مر چکی تھی سائیں مگر میں فاتحہ خوانی کے لئے ضرور جاتا ہوں۔"

"ہوں۔ رئیس عبدالرحمٰن سے تمہارے تعلقات کیسے ہیں۔"

"دیکھو سائیں۔" سپرمین بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"آپ ہمارے مہمان ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ شادیا اور نسرین کے قتل کی تحقیقات کرنے آئے ہیں۔ میں ان معاملات میں الجھنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ مجھے قاتل سمجھتے ہیں تو پہلے ثابت کریں، میں تختہ دار پر چڑھنے کے لئے تیار ہوں۔"

"دیکھو سپرمین۔ پولیس یا جاسوس ہر مشتبہ شخص پر توجہ ضرور دیتا ہے۔ اگر تم قاتل نہیں ہو تو تمہیں شبہات مٹانے ہوں گے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم میرے ہر سوال کا جواب دو۔"

"کوئی ضرورت نہیں آپ کو سوال کرنے کی اور نہ ہی میرے پاس سوالات سننے کا وقت ہے۔ اگر آپ میرے پاس ٹھہرنا چاہتے ہیں تو میں بستر لگوائے دیتا ہوں آپ سو جائیں اگر نہیں تو پھر تشریف لے جائیں میں سونا چاہتا ہوں۔"

سامنے چرس کا ڈھیر لگا دیں گا۔ ارے سائیں تم ہمارا مہمان ہے نی۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ اس شہر میں چرس بہت ملتا ہو گا۔"

"بہت بہت سائیں۔" کہتے ہوئے مونچھ والا ذرا سا جھکا اور سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"یہاں کا پولیس بھی چرس بیچتا ہے۔ کھتہ کھاتا ہے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔"

"خیر ہٹاؤ۔ کیا تم میں سے کوئی بتلا سکتا ہے کہ سپرمین اس وقت کہاں ہو گا۔"

"نہیں سائیں ہمیں علم نہیں ہے۔"

باتیں ہوتی رہیں اور وقت گزرتا رہا۔ عمران نے ذرا سی دیر میں پانچوں سوالیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا انہیں کچھ ایسے اوٹ پٹانگ واقعات سنائے کہ وہ ہنستے ہنستے رو پڑے۔ یہاں تک گیارہ بج گئے اور دروازے پر دستک ہونے لگی

"لو عمران سائیں شاید سپرمین آ گیا۔" گھنی مونچھ والے نے کہا اور دامن سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا باہر نکلا جو ہنستے ہنستے آنکھوں میں آ گئے تھے۔

ذرا دیر بعد جب لوٹا تو واقعی سپرمین اس کے ساتھ تھا۔ عمران پر نظریں پڑتے ہی سپرمین اس طرح چونکا جیسے عمران کے سر پر سینگ دیکھ لئے ہوں۔ عمران گہری نظروں سے اسے تک رہا تھا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے چہرے پر ازلی حماقتیں رقصاں تھیں۔

"السلام علیکم صاحب۔" ایک لمحہ میں اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے

"سلام علیکم" ایک بیک عمران حماقت بھرے انداز میں سلام کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور کسی مدد کے بغیر مکان سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تاریک دستان گلی میں ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

چھوٹے فلیٹ پر وہ محلہ غریب آباد میں عادل فقیر کی بیٹھک پر کھڑا نظر آیا۔ بیٹھک سے باہر ایک چھجہ بنا ہوا تھا اور چھجے تلے چارپائی پر عادل کا موالی بھائی گلو سویا ہوا تھا جب کہ بیٹھک کا دروازہ بند تھا، کھڑکی کھلی تھی اور اندر لالٹین مدھم مدھم آسیبی روشنی بکھری ہوئی تھی۔ چند کرسیاں اور دو چارپائیاں رکھی تھیں۔ ایک چارپائی پر بستر رکھا ہوا تھا گویا بیٹھک میں کوئی بھی نہ تھا سرسری سا جائزہ لے کر عمران گلو کو جگائے بغیر واپسی کے لئے چل دیا۔

غریب آباد کی آبادی نہ تو گنجان تھی اور نہ ہی پکے مکانات پر مشتمل تھی۔ کاٹھ کباڑ کی اینٹوں کا مکان نظر آتا اور نہ زیادہ تر جھگیاں ہی تھیں۔

عمران خیالات میں الجھا ہوا تھانے کے قریب سے گزر کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔ مین روڈ بھی سنسان تھا اور اسٹریٹ روشنیاں بالکل دھندلائی ہوئی تھیں۔

اذیت کے اس عالم میں بھی جولیا نے ذہن کو قابو میں رکھا پھر جیسے ہی نقاب پوش کا حملہ مکمل ہوا اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے جولیا نے قلابازی انداز میں جمپ لگایا۔

نقاب پوش کی گرفت ختم ہو گئی اور وہ جولیا سمیت زوردار دھماکے سے زمین پر گر گیا۔

چونکہ جولیا کا ذہن جھنجھلایا ہوا تھا، اعصاب میں تشنج تھا اس لئے وہ نقاب پوش کی سی تیزی نہیں دکھلا سکی۔

نقاب پوش گرتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور فوراً ہی مضبوط تختے کی تپائی اٹھا کر پوری قوت سے جولیا پر دے ماری یہ علیحدہ بات ہے کہ جولیا بجلی کی سی تیزی سے لڑھک کر نقاب پوش کے پیروں سے ٹکرا گئی۔ نتیجتاً تپائی چھرداتی کو توڑتی ہوئی مسہری سے ٹکرا گئی اور نقاب پوش پیشانی کے بل گر پڑا۔

اس کے حلق میں سے اذیت ناک چیخ بھی نکل گئی پھر، اس کے اٹھنے سے پہلے ہی جولیا اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھکی اور اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر مردہ جانور کی طرح اپنی جانب کھینچ لیا۔

نقاب پوش ایک بار پھر گھٹے گھٹے لہجے میں چلایا اور پھر حیرت انگیز تیزی سے اچھل کر بچھو کی طرح ہتھیلیوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں چھت کی طرف اٹھ گئیں۔

جولیا کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر رہ گئیں۔ ابھی وہ حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ نقاب پوش نے اسے اپنی دونوں ٹانگوں میں جکڑ لیا۔ ٹھیک اسی لمحے دوڑتے قدموں کی آواز بھی گونجی تھی۔

اچانک نقاب پوش نے گرد جھاڑتے بھینسے کی طرح ایک جھرجھری لی۔ چونکہ اس نے جولیا کو بڑی مہارت سے ٹانگوں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس لئے جھرجھری لیتے وقت اس کی گرفت آہنی شکنجہ بن گئی۔

جولیا کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ اس کی پسلیوں میں گویا انگارے سے دوڑنے لگے۔

شدتِ درد نے جولیا کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اسی لمحے باہر سے کسی نے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا ساتھ ہی کسی مرد کی بھاری بھرکم آواز بھی سنائی دی۔

"کون ہے اندر۔ دروازہ کھولئے مس صاحبہ۔ مجھے بتائیے یہ کیسا شور ہے ــــ"

مگر، جولیا کیا جواب دیتی وہ رکوع کے بل جھکی ہوئی تھی اس کا سر اپنی ہی ٹانگوں کے درمیان جھکتا رہا تھا۔ پسلیوں پر کے دباؤ نے اس کی سانس روک دی تھی اور کمر ٹوٹتی محسوس ہونے لگی تھی۔

نقاب پوش کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے صرف ایک بار گردن موڑ کر دروازے کی جانب غور سے دیکھا تھا اور پھر لاپرواہی سے سر جھٹک کر اپنا کام کرتا رہا۔

اچانک جولیا کے ڈوبتے ذہن میں ایک ترکیب سوجھی اور اس نے زندگی بچانے کے لیے اس ترکیب کو آخری بار آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ سب کچھ صرف چند لمحوں میں اس نے سوچ لیا اور ان چند لمحوں میں دروازہ دھڑ دھڑانے والے نے چلا چلا کر اپنا حلق خشک کر لیا تھا۔ جو کچھ بھی تھا، تمام اذیت کو برداشت کرتے

ہوئے جولیا نے جانکنی میں مبتلا انسان کی طرح دو تین جھٹکے لئے حالانکہ ایسی کوشش نے اسے حقیقتاً موت کے نزدیک پہنچا دیا تھا۔

اور پھر اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا، چند لمحوں بعد جب نقاب پوش کو اس کی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے شکنجہ کھولا اور اچھل کر پیروں کے بل کھڑا ہو گیا۔ جبکہ جولیا بے جان چھپکلی کی طرح زمین پر اوندھے منہ گر پڑی تھی۔

اتنی سی دیر میں دروازے پر کسی وزنی چیز کے کئی دھماکے ہو چکے تھے۔ اور مضبوط دروازہ کسی کھلونے کی طرح جھولنے لگا تھا۔

جولیا نے آہستہ آہستہ سانس لیا مگر سینے میں بھری ہوئی سانس پر قابو نہ پا سکی اور پھنکار کی سی آواز میں سانس لی۔

نقاب پوش چونک پڑا، جولیا کو زندہ پا کر اس کی آنکھوں کی وحشت سوگنا بڑھ گئی۔ اس نے فی الفور قلابازی لگائی اور دونوں ہتھیلیاں زمین سے ٹیک کر بالکل اسی طرح دونوں ٹانگوں کی قینچی جولیا کی کمر کے گرد حائل کر دی اور کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے پوری مہارت سے جھٹکا جولیا کے بل مسہری پر جا پڑی اور پھر زور دار دھماکے سے زمین پر گر پڑی۔ وہ کسی طرح بھی اپنی چیخ پر قابو نہ پا سکی تھی۔

اچانک کریہہ چرچراہٹ سے دروازہ ٹوٹا اور ڈاک بنگلے کا چوکیدار لمبی اور موٹی لاٹھی دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوئے نمودار ہوا ایک ہی نظر میں اس نے پوری صورتحال سمجھ لی۔

دوسرے لمحے لاٹھی تھامے اُول خول بکتا نقاب پوش کی طرف بڑھا جبکہ جولیا کو اچھالنے کے بعد نقاب پوش پیروں کے بل کھڑا تھا وہ کسی لاش کی طرح اکڑا ہوا تھا۔

وہ دروازہ ٹوٹنے کی آواز پر پھر کی طرح گھوم پڑا تھا چونکہ نقاب کی وجہ سے اس کی آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں اس لئے وثوق سے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی صرف اندازہ تھا کہ وہ چوکیدار کو بڑی ہی حقارت سے تک رہا ہے۔

جو کچھ بھی تھا، للکارتا ہوا چوکیدار قریب پہنچا اور لاٹھی سے ماہرانہ انداز میں نقاب پوش پر حملہ کر دیا۔ لیکن ہوا کے بگولے کی طرح جھک کر نقاب پوش نے اس کا وار خالی کر دیا ساتھ ہی جھکتے وقت اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین سے ٹکا دیں اور حیرت انگیز انداز میں اپنے جسم کو گھمایا نتیجتاً اس کے دونوں پیر پوری شدت میں چوکیدار کے پیٹ پر پڑے۔

اُوغ کی کربناک آواز سے چوکیدار رکوع کے بل جھک گیا۔ کرب و اذیت کے اس عالم میں بھی اس نے لاٹھی نہ چھوڑی اور جھکتے جھکتے لاٹھی کی ضرب نقاب پوش کی کوکھ پر رسید کر دی یہ پہلا موقع تھا کہ چوٹ لگتے ہی پراسرار نقاب پوش کسی زخمی اژدہے کی طرح تڑپ اٹھا پھر اس سے پہلے کہ چوکیدار پیٹ کی اذیت پر قابو پا کر دوسرا حملہ کرتا، نقاب پوش

نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ سیاہ اور بڑے پرندے کی طرح اُڑتا ہوا سا کھلی ہوئی کھڑکی سے گذر گیا۔

بدّقت تمام اپنی اذیّت پر قابو پاتے ہوئے چوکیدار ہانپتا کانپتا اور لڑکھڑاتا ہوا کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب پہنچا مگر، پوری قوتِ بینائی استعمال کرنے کے باوجود اُسے اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ مایوس ہو کر وہ جولیا کی طرف بڑھ گیا۔

یقیناً جولیا کے سر میں کسی خاص مقام پر چوٹ لگی تھی، اس لئے بیہوش ہو چکی تھی۔ وہ اس انداز میں زمین پر پڑی تھی کہ چوکیدار سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ جولیا کو کس طرح اُٹھائے اور مسہری پر لٹائے وہ جولیا کے جسم کو ہاتھ تک لگانے سے ہچکچا رہا تھا۔

بہت کچھ سوچنے کے باوجود جب کوئی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی تو وہ کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں پٹ بند کر کے سٹخنی چڑھائی اور ایک جانب کونے میں رکھی ہوئی صراحی کی طرف بڑھ گیا۔

ذرا دیر بعد وہ جولیا کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتا نظر آیا۔ مگر اس کی یہ کوشش بھی رائیگاں گئی جولیا کو ہوش نہ آنا تھا نہ آیا۔ تھک ہار کر وہ کمرے سے نکل گیا لیکن، چونکہ دروازہ وہ خود توڑ چکا تھا۔ اس لئے جولیا کو تنہا چھوڑ کر جانا نامناسب

سمجھ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اتنی سی دیر میں اس کے پیٹ کی تمام تکلیف جاتی رہی تھی۔

وہ بہت محتاط تھا۔ کبھی بند کھڑکی کی طرف تکنے لگتا تو کبھی جولیا کی طرف اُسے یہی خدشہ تھا کہ کہیں نقاب پوش دوبارہ نہ لوٹ آئے۔

اچانک... اس کے حلق سے ایک اذیتناک چیخ نکل گئی۔ وہ اسپرنگ کی طرح اُچھل کر کھڑا ہو گیا اس کا دائیاں ہاتھ خود بخود بائیں بازو کی طرف اُٹھ گیا اور پھیلی ہوئی آنکھیں زمین پر جم کر رہ گئیں وہ ایک چھٹکرا سانپ تھا جس کی ہولناک پھنکاریں رُوح میں اتر رہی تھیں۔ اس نے بیٹھے چوکیدار کے بازو پر ڈنک مار دیا تھا اور دوسرا ڈنک مارنے کے لئے بالکل تیار تھا۔

ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر چوکیدار دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے شکار کو یوں پیچھے ہٹتے دیکھ کر چٹکرا سانپ بھیانک پھنکار کے ساتھ رینگا۔ ابھی وہ چوکیدار کی طرف بڑھا ہی تھا کہ چوکیدار نے ہوا کے بگولے کی طرح ہلکا سا جمپ لیا اور کھٹاک سے دونوں پیر سانپ کے پھن پر جما دیئے۔

چونکہ چوکیدار کے پیروں میں ربڑ کے موٹے سول کے سینڈل پہنے ہوئے تھے اس لیے اسے زخمی ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

سانپ کی پھنکاریں دب گئیں لیکن اُس نے اپنے باقی وجود کو....
چوکیدار کی ایک ٹانگ کے گرد لپیٹنا شروع کر دیا تھا۔ قطع نظر
اس کے چوکیدار نے قمیض کی جیب سے رومال نکال کر انتہائی
سختی سے بازو والے زخم سے ذرا نیچے باندھنا شروع کر
دیا۔

بہت جلد اس نے کسی امتیاز کے بغیر اپنا ازار بند بھی کھینچ
لیا اور برہنگی کی پرواہ کیئے بغیر زخم سے اوپری حصّے پر ازار
بند کسنے لگا اس کی شلوار سرک کر پیروں پر جا پڑی تھی۔

اتنی سی دیر میں اس کے ہر بن موئے سے پسینے کے سوتے سے
پھوٹ پڑے تھے۔ اس کے پورے وجود میں لرزے کے ساتھ
سنسنی سی دوڑنے لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے
لگا تھا اور ذہن پر تاریک جھکّے ہونے لگے تھے۔ ساتھ ہی اسے
اپنی ٹانگ کی کھال اُدھڑتی محسوس ہونے لگی تھی ہڈی میں انگارے
سے دوڑتے محسوس ہونے لگے تھے۔

عمران آندھی و طوفان کی طرح دوڑتا ہوا جولیا کے کمرے
تک پہنچ گیا سب سے پہلے اس کی نظریں چوکیدار پر پڑیں
جو دونوں ہاتھوں سے ٹوٹتے ہوئے دروازے کو تھامے کھڑا
تھا۔

چوکیدار کی شلوار پیروں پر دیکھ کر عمران کا ماتھا ٹھنکا
ایک لمحے کے دسویں حصّے میں ایک ہزار ایک وسوسے اس کے ذہن
پر کوند گئے۔

پہلا خیال اس کے ذہن میں یہ جاگا کہ چوکیدار نے جولیا کی
بے حُرمتی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لہٰذا جولیا نے اسے
سزا دی ہوگی۔ سزا کا تصوّر اس کے ذہن پر اس لیے اُبھرا کہ
چوکیدار قریب المرگ محسوس ہوا۔

"کیا ہوا تمہیں رحمت ـــ مس جولیا نہ کہاں ہے ـــ"
عمران ہر قسم کے خدشے کو ذہن سے جھٹک کر رحمت کے شانے
پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

بر وقت تمام رحمت نے جھکی ہوئی گردن اٹھائی پوری خود اعتمادی سے آنکھیں کھولیں اور انتہائی نقاہت بھری آواز میں بولا۔

"سائیں۔ ایک نقاب پوش مس صاحبہ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ ہنگامہ سن کر میں پہنچا تو مس صاحبہ بیہوش تھیں۔ میں نے نقاب پوش کا مقابلہ کیا۔ وہ بھاگ گیا میں آپ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

مجھے بازو میں سانپ نے کاٹا ہے اور سانپ میرے پیروں تلے ہے۔ میں صرف آپ کا انتظار کر رہا تھا سائیں۔ سانپ سے بچو اگر وہ زندہ ہے تو آپ مس صاحبہ کو سنبھالیں اگر میں سانپ کو نہ روکتا تو وہ مس صاحبہ کو بھی ڈس لیتا۔"

چوکیدار کی گفتگو مکمل ہونے تک عمران ساکت و جامد رہا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے رگ و پے میں خون کی بجائے کھولتا ہوا لاوا دوڑنے لگا تھا۔

وہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور جیسے ہی چوکیدار کی شلوار ہٹائی چتکبرے سانپ کو اس کی ایک ٹانگ سے لپٹا ہوا پایا۔ ویسے چوکیدار کا پورا وجود اب بھی رعشہ کے مریض کی طرح لرز رہا تھا۔

وہ نصف گھنٹے سے زیادہ وقت تک سانپ کے پھن پر پیر رکھے کھڑا تھا۔ مگر عمران محسوس کئے بنا نہ رہا کہ سانپ ابھی زندہ ہے۔

اچانک، عمران نے چوکیدار پر جھپٹا مارا اور ہوا کے بگولے کی طرح بھاری بھرکم چوکیدار کو اپنی گرفت میں لیکر اچھل کر دو فٹ دور جا پڑا بجلی کی سی تیزی سے چوکیدار کو زمین پر ڈالا اور چھلانگ لگا دی۔

وہ زمین سے بلند ہوا اور کھٹاک سے دونوں پیروں کے سانپ کے پھن پر جا پڑا اگر اس نے ذرا بھی دیر کی ہوتی تو مچل مچل کر سنبھال لینے والا سانپ اس کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتا۔

سانپ کا پھن کچل کر رہ گیا اور عمران فی الفور ہٹ گیا، تڑپتے سانپ پر ایک نظر ڈالی اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا، پھر لیا کو سر جھٹک کر اٹھتے دیکھ کر مطمئن ہو کر چوکیدار کی طرف بڑھ گیا۔

اسے پہلی بار بے بسی کا احساس ہوا کیونکہ ڈاک بنگلے میں جان نہ تھا۔ اس نے جھک کر چوکیدار کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔

چوکیدار بیہوش ہو چکا تھا یا پھر ہو سکتا ہے مر ہی گیا ہو جو زہر بھی تھا وہ چوکیدار کو کندھے پر اٹھائے کمرے کے ٹوٹے

ہوئے دروازے پر پہنچا۔

"جولیا ــــ" اس کی آواز کی غراہٹ نے در و دیوار پر لرزہ طاری کر دیا۔ جولیا تھرتھرا کر یوں ہوش میں آ گئی جیسے بیہوش ہی نہ ہوئی ہو۔

"کار نکالو چوکیدار کی زندگی خطرے میں ہے، ہری اپ۔"

تیسرے منٹ پر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور بیہوش چوکیدار پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔

"میں جلد سے جلد لوٹ رہا ہوں جولیا۔ اپنا ریوالور بریف کیس سے نکال لو اور ہوشیار رہو ــــ" بات مکمل ہونے تک وہ انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔

دوسرے لمحے کار طوفانی رفتار سے کھسکی اور پھر جو پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔ جولیا دم بخود کھڑی اس وقت تک کار کو تکتی رہی جب تک سرخ روشنی نظر آتی رہی۔

جونہی سرخ روشنی نظروں سے اوجھل ہوئی، وہ سر جھٹک کر مڑی تاریکی میں پورے صحن کا اچٹتا سا جائزہ لیا اور تیز تیز قدموں سے اندرونی جانب بڑھ گئی۔

اس کے چہرے پر شدید ذہنی خلفشار کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ چوکیدار کو کیا ہوا۔ اسے تو صرف اتنا ہی یاد تھا کہ وہ ایک نقاب پوش سے لپٹ

گئی تھی اور پھر نہ جانے کس طرح نقاب پوش نے اسے اچھالا تھا

خیالات میں الجھی ہوئی وہ جیسے ہی ٹوٹے ہوئے دروازے کے قریب پہنچی، ایک چتکبرے سانپ کو زمین پر مرا ہوا پایا پھن کچلے سانپ کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کے وجود میں خوف کی تیز سنسنی سی دوڑ گئی۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ یہ خوفناک ترین سانپ کیسے آیا۔ اسے عمران نے مارا یا چوکیدار نے۔ کیا ایسا تو نہیں کہ سانپ ہی نے چوکیدار کو ڈس لیا ہو، یا پھر نقاب پوش نے چوکیدار کو اذیت پہنچائی ہو۔

ابھی وہ انہی خیالات سے نجات نہیں پائی تھی کہ کمرے کے ٹوٹے ہوئے دروازے نے اسے مزید الجھا کر رکھ دیا اور جب گومگو میں مبتلا وہ کمرے میں داخل ہوئی تو پشتی کھڑکی کے پٹ نہ صرف یہ کہ بند پائے بلکہ اس پر چٹخنی بھی چڑھی ہوئی دیکھی۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے چٹخنی گرا کر کھڑکی کے پٹ کھول دیئے اور پھر سامان کی افراتفری کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ذرا سی دیر میں اس نے ہر چیز قرینے سے سجا دی اور اسٹیل کی چھری ہاتھ میں لئے مسہری پر بیٹھ گئی۔

اس کا شعور پوری طرح بیدار ہو چکا تھا یا پھر ہو سکتا ہے چھری دیکھ کر اسے سب کچھ یاد آ گیا ہو۔ جو کچھ بھی تھا۔ اسکی الجھن بڑی تیزی سے دور ہوتی گئی۔

اُسے یاد آیا کہ عمران کو مصروف چھوڑ کر وہ چہل قدمی کرنے کے بعد سو گئی تھی اور پھر کسی کے سانس کی گرمی محسوس کر کے بیدار ہو گئی تھی۔

پُراسرار نقاب پوش ہی نے اُسے بتلایا تھا کہ وہ عمران کے کمرے میں ایک خطرناک سانپ ڈال چکا ہے۔

ایک ایک کر کے اُسے تمام واقعات یاد آ گئے مگر، پھر بھی سوال یہ اُٹھتا ہے کہ سانپ کو کس نے مارا، چوکیدار کی دگرگوں حالت کیسے ہوئی اور پُراسرار نقاب پوش کہاں گیا۔

وہ سوچتی رہی اُس کا ذہن اُلجھتا رہا۔ اُلجھتا رہا اور رات تیزی سے سحر کی طرف سفر کرتی رہی، کوئی ایک گھنٹہ وہ اُس وقت چونکی جب چار مسلح کانسٹیبل قدموں کی بھاری آوازیں نکالتے خوابگاہ میں داخل ہوئے ۔۔۔"

"السلام علیکم مس صاحبہ ۔۔" ایک کانسٹیبل نے بلند آواز میں سلام کیا جبکہ باقی تینوں نے صرف اِشاروں میں سلام کیا تھا۔

"واعلیکم السلام۔ کس نے بھیجا ہے آپ لوگوں کو ۔۔۔"

"عمران صاحب نے مس صاحبہ۔ اُنہوں نے آپ کے لیے پیغام بھی دیا ہے۔"

"کہو ۔۔۔ میں سُن رہی ہوں ۔۔۔"

"عمران صاحب نے کہا ہے کہ آپ فوری طور پر سیٹھ رستم

کے گھر پہنچیں مگر، ایسی رازداری سے کہ نہ تو رستم کو علم ہو سکے ورنہ ہی اس کی بیٹی اختری یا خاندان کے تیسرے کسی فرد کو ۔۔"

"ہوں ۔۔۔ مم، مگر، رُستم کا گھر میں نے تو نہیں دیکھا ۔۔۔"

"پولیس جیپ آپ کے لیے باہر صحن میں موجود ہے۔ مس صاحبہ ڈرائیور آپ کو نہ صرف یہ کہ وہاں تک پہنچا دیگا بلکہ رستم کا گھر بھی دِکھلا دیگا ۔۔۔"

مزید کوئی سوال کئے بغیر جولیا یا خدرُوم کی طرف بڑھ گئی غالباً وہ شب خوابی والا لباس بدلنے لگی تھی۔

سیٹھ رُستم حلوائی۔ نیم پلیٹ پڑھنے کے بعد جولیا نے ڈبل اسٹوری مکان کا سرے تک جائزہ لیا اور پھر مکان کو چاروں طرف سے دیکھ لینے کی خواہش میں قدم اُٹھا دیئے۔

ہر طرف سناٹا تھا، اندھیرا تھا اور ویرانی، کبھی کبھی کسی اُونگھتے کتے کی آواز ماحول کو پُراسرار بنا دیتی تھی یا پھر مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ گونج رہی تھی۔

رُستم کا مکان ڈبل اسٹوری اور پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ گراؤنڈ فلور کا آدھا حصہ کشادہ صحن پر مشتمل تھا اور جمعہ

فرسٹ فلور تک جانے کے لئے زینے بھی صحن ہی میں کہیں ہوں گے۔

تمام کھڑکیاں کھلی تھیں مگر روشنی کی ہلکی رمق بھی کہیں نظر نہیں آئی۔ جولیا کا ذہن بڑی تیزی سے ایک لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔

اُسے عمران کی طرف سے بھی تشویش تھی، آخر وہ اتنے چھوٹے سے شہر میں کہاں غائب ہو گیا کہ واچ ٹرانسمیٹر پر بھی اپنی خیریت کی کوئی اطلاع نہیں دی۔

رستم کے گھر کے تذکرے پر اُسے یاد آ گیا تھا کہ رستم کی بیٹی اختری مقتولہ نسرین کی دوست خاص تھی، ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی ایسی بات جانتی ہو جس نے اُس کی زندگی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہو۔

سوچتے سوچتے وہ پھلیلی نہر کے کنارے پہنچ گئی یہاں پر مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ نہر کے مشرقی کنارے پر تھی۔ گو کہ سیٹھ رستم کا مکان نہر سے چھٹے گز کے فاصلے پر تھا۔

لیکن چونکہ گرمیوں کا موسم تھا اسلئے نہر کا پانی مضبوط بند کی نکر تک پہنچ چکا تھا۔

نہر کے مٹیالے پانی میں بہت تیزی تھی مگر جولیا نہر کا اُچٹتا

جائزہ لیکر رستم سیٹھ کے مکان کے پشتی حصے میں پہنچ گئی ابھی اُس نے چند ہی قدم آگے بڑھائے تھے کہ سانپ کی طرح چھوتا ہوا ایک رسہ دیکھ کر اُس کا دل یکبارگی اُچھل کر حلق میں آ اٹکا۔

اُس کی نظریں غیر ارادی طور پر اُوپر کی طرف اُٹھ گئیں پھر رسے کا سرا فرسٹ فلور کی بڑی کھڑکی میں غائب ہو چکا تھا۔ کھڑکی زمین سے تقریباً پندرہ فٹ اُوپر تھی۔

ایک لمحہ کے دسویں حصے میں جولیا شعلہ جوالا بن گئی اس نے فی الفور رسہ تھاما اور کسی بندریا کی طرح بے آواز و تیزی سے اُوپر چڑھتی چلی گئی۔

وہ لمحوں میں اوپر پہنچی، دونوں ہاتھ مضبوطی سے چوکھٹ پر جمائے اور دونوں پیروں کے پنجے دیوار سے چپکا کر آہستگی سے سر بلند کیا، پھر اندرونی منظر دیکھتے ہی اس کا ذہن بھک سے اڑ گیا۔

وجہ بھی معقول تھی۔ اس نے اُسی سیاہ پوش کو دیکھا جو کافی دیر پہلے اس سے بھڑ گیا تھا۔ وہ مسہری پر جھکا ہوا تھا اس طرح مسہری پر بے سُدھ سوئی ہوئی ایک عورت کے ہاتھ میں چمکدار اسٹیل کی چھری تھی، نقاب پوش کا ہاتھ بے سُدھ سوئی عورت کی چھری والی مٹھی پر جما ہوا تھا اور وہ چھری کو عورت کے نرخروں کی طرف لے جا رہا تھا۔ آن واحد میں جولیا نے ایک جست لیا، کھڑکی کی چوکھٹ پر بیٹھی اور آن واحد میں دوسرا جمپ لگا کر سیاہ

پوش پر جا پڑی۔

گو کہ سیاہ پوش جولیا کی موجودگی کو محسوس کر کے بُری طرح اچھل کر پلٹا تھا مگر اسے دیر ہو چکی تھی، جولیا بھوکی شیرنی کی طرح اسے اپنی آغوش میں لیے زور دار دھماکے سے فرش پر گری پڑی تھی۔ اس طرح کہ سیاہ پوش نیچے اور جولیا اوپر تھی۔

سیاہ پوش کے حلق سے بھوکے درندہ کی سی غراہٹ نکل گئی تھی جو زمین پر گرنے سے اذیت ناک چیخ میں بدل گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ سیاہ پوش چوٹ سہلاتا یا کوئی جوابی کارروائی کرتا، جولیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

اس کا خیال تھا کہ دھماکے اور چیخیں سن کر عورت جاگ پڑے گی مگر جب اس نے مسہری اور کمرے کا اچٹتا سا جائزہ لیا تو ششدر سی رہ گئی۔

وہ خوبصورت اور جوان لڑکی تھی مگر بیہوشی کی نیند سوئی ہوئی تھی۔ مسہری کے سرہانے جانب چند فٹ دور کی دیوار میں زیرو وولٹ کا بلب روشن تھا، سیلنگ فین درمیانہ رفتار سے چل رہا تھا اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

یہ سب کچھ جولیا نے پلک جھپکنے کی دیر میں دیکھ لیا اور پھر سیاہ پوش کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ٹھیک اسی لمحے سیاہ پوش نے بجلی کی سی تیزی سے قلابازی لگائی اور بچھو کی طرح ہتھیلیوں

کے بل کھڑا ہو گیا۔

"نہیں ذلیل کتے اب تیری بازی گر نہیں چلے گی۔" سفاکانہ لہجے میں غراتے ہوئے جولیا نے حیرت انگیز تیزی سے پیر کی زبردست ٹھوکر سیاہ پوش کے گھٹنوں پر رسید کر دی۔

گو کہ سیاہ پوش پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا اور جولیا کو جوتے بھی پہنے تھے مگر، اس کے باوجود جولیا کے پیر سے انگارے سے نکل گئے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے چونکی، صرف ایک لمحہ کے لیے، دوسرے لمحے جولیا اچھلی اور ریسلنگ ایکسپرٹ کی طرح کھٹاک سے سیاہ پوش کی پیٹھ پر جا پڑی۔

مگر، سیاہ پوش پہلے ہی بجلی کی سی تیزی سے کروٹ بدل چکا تھا۔ تاہم جس قدر چوٹ بھی اسے لگی، اسی پر وہ کتے کے پلے کی طرح بلبلا کر رہ گیا۔

پچاس فیصد سے زائد حملہ رائیگاں جانے سے جولیا کو بھی زبردست چوٹ لگی، چند لمحے تو اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑتی رہی لیکن پھر وہ ہر قسم کی اذیت کو ذہن سے جھٹک کر اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

اتنی سی دیر میں سیاہ پوش بھی گھوڑیالے سانپ کی طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ٹوپ نما نقاب سے اس کی جھانکتی ہوئی سرخ ترین آنکھیں جولیا پر مرکوز تھی اور وہ کسی بدروح کی

طرح ہولناک سانسیں لے رہا تھا۔

"تم .... زندہ ہو جولیا ——" وہ پھنکتی آواز میں بولا۔

"عقل ماری گئی ہے تمہاری کتے۔ زندہ نہ ہوتی تو تمہیں واصلِ جہنم کرنے کے لیے یہاں کیسے پہنچتی ——"

"مگر اب تم زندہ نہیں رہو گی —— تمہیں بھی عمران کے پاس پہنچا کر رہوں گا ——"

"ارے احمقوں کی دنیا میں رہنے والے باؤلے کتے عمران زندہ ہے۔ اسے تھریسیا، سنگ ہی جیسے بین الاقوامی شہرت یافتہ مجرم نہ مار سکے تو تم کیا مارو گے ——"

"آہم —— میں تمہارے جھانسے میں نہیں آؤں گا ——" کہنے کے ساتھ ہی اس نے جمپ لگایا۔

جولیا غیر ارادی طور پر جھک گئی مگر فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔ اس لیے کہ سیاہ پوش نے جولیا پر نہیں بلکہ کھڑکی کی طرف جمپ لگایا تھا۔ پھر، جب تک جولیا اس کے قریب پہنچتی، وہ زمین کی جانب چھلانگ لگا چکا تھا۔

اس کی مدھم پڑتی آواز جولیا کے ذہن پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

"کل رات تک تجھے ضرور فنا کر دوں گا جولیا ——"

"کہاں جا مرے تھے رات بھر ——" جولیا چائے کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے بولی۔

"بن باس کے پاس گیا تھا ——" عمران توس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں ڈاک بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، کچھ فاصلے پر دو کانسٹیبل بھی بیٹھے تھے۔ یہی کانسٹیبل ان کے لیے انسپکٹر شہباز کے گھر سے ناشتہ لے کر پہنچے تھے۔

"اڑنے کی کوشش نہ کرو ورنہ گرم گرم چائے تمہارے منہ پر انڈیل دوں گی۔ اس کے بعد تم بھی فقیرا بن عادل کی طرح کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے ——"

"ارے نہیں ڈارلنگ ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ پہلے ہی میں شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا ہوں۔ ویسے کیا تم بتلا سکو گی شرم سے پانی پانی کیسے ہوا جاتا ہے۔ اوہنہ، شرم نہ ہوئی الیکٹرک انگیٹھی ہوئی ——"

"بتلا دوں گی تمہیں۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ تم کس وجہ سے پانی پانی ہوئے ہو ——"

"مجھ سے پوچھ رہی ہو ——" عمران پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے غصیلے چہرے نے دونوں کانسٹیبلوں کو منہ پھیر کر ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اری طوطا چشمی کیا اس دن کے لیے تمہیں اپنی وہ.... وہ کیا کہتے ہیں اسے ——" وہ کن پٹی پر انگلی رکھ کر سوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ "ہاں یاد آیا۔ کیا اس دن کے لیے تمہیں اپنی محبوبہ بنایا تھا ——"

"سچ سچ ... معلوم ہوتا ہے میں نے تمہیں بہت دکھ پہنچایا ہے ——"

"صرف بہت! ارے تم نے دکھوں کے علاوہ مجھے دیا ہی کیا ہے"

"پھر بھی۔ آخر ہوا کیا ——"

"باقی رہنے ہی کیا دیا ہے تم نے۔ کیا گذشتہ رات اس قاتل سیاہ پوش سے تم دوبار ملاقات نہیں کر چکیں ——؟"

"اوہ —— ہاں بھئی۔ وہ واقعی بہت پیارا، طاقتور انسان ہے۔ اگر خدا جھوٹ نہ بلائے تو تمہارے چچا —— کا بھی چچا لگتا ہے مجھے"

"کوئی ضرورت نہیں بات بنانے کی ——"

"ہاں ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔ بھلا کیا ضرورت ہے بات بنانے کی۔ جانتے ہو سیاہ پوش نے اختری کو ذبح کرنے سے پہلے اس کے باپ اور دیگر گھر والوں کو بیہوش کر دیا تھا اختری بھی بیہوش تھی ——"

"ہے تمہاری کارکردگی پر دوبار قاتل کو بھگا چکی ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ تم سیاہ پوش سے مل چکی ہو ورنہ وہ تمہارے مقابلے سے فرار ہو ہی نہیں سکتا تھا ——"

"جب تم سے سامنا ہوگا ناں، تب پوچھوں گی۔ ویسے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ سیاہ پوش تھا ——"

"مم، مجھے ... بب، بس مم معلوم ہو گیا ——"

پہلی بار عمران پر بوکھلاہٹ سوار ہوئی۔

"بب۔ بتلا دو پیارے طوطے ——" جولیا سینڈل کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"سچ، چوکیدار نے بتلایا تھا ——"

"اوہ —— بتاؤ وہ کس حال میں ہے ——"

"موت کے جبڑوں سے نکل چکا ہے۔ اس کے جسم سے تمام زہر نکال لیا گیا ہے مگر، ایک ماہ تک زیر علاج رہیگا ——"

"ہوں —— اس کی یہ حالت کیسے ہوئی ——"

"صرف تمہیں بچانے کے لیے اس نے موت کے منہ میں چھلانگ لگائی تھی ——" کہتے ہوئے عمران نے اسے وہ سب کچھ بتلا دیا جو اسے چوکیدار سے معلوم ہوا تھا۔

"وہ چار بچوں کا باپ ہے جولیا اور بہت غریب ہے۔ کم از کم میں اس کے اس عظیم احسان کو نہیں بھول سکتا جو اس نے تم پر

یا پھر ایکٹو پر کیا ہے۔ وہ بہت بڑے انعام کا مستحق ہے جولیا ——"

"ٹھیک ہے۔ میں اس کے گھر جاؤں گی اور جو کچھ مجھ سے ممکن ہو سکے گا، میں اس کے بچوں کے لیے کروں گی ——"

"ہاں جولیا۔ تمہیں اس کے گھر ضرور جانا چاہیے ——"

"تمہیں ..... کیسے یقین ہوا کہ اختری کی زندگی بھی خطرے میں ہے"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جولیا نے پُرسوچ لہجے میں پوچھا۔

"چھٹی حس۔ میرا اندازہ تھا کہ قاتل ہر اس لڑکی کو قتل کرے گا جو کسی طرح بھی مقتولہ شاہدہ نسرین سے قریب رہی ہوگی ——"

"واقعی عمران۔ اگر مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو قاتل اختری کا کام تمام کر چکا ہوتا ——"

"بہرحال۔ آج میں قاتل کو پکڑ لوں گا ——"

"کیا مطلب —— کیا تم قاتل سے واقف ہو ——"

جولیا چونک کر بولی۔

"واقف تو میں اس سے پہلی ملاقات ہی میں ہو گیا تھا مگر اسے ڈھیل اس لیے دی کہ میں اس کا طریقۂ کار اور منشاء جاننا چاہتا تھا"

"اوہ —— کیا اب بھی نہیں بتلاؤ گے کہ تم رات کہاں تھے"

"میں اس وقت بھی تم سے زیادہ دور نہ تھا جب تم رسّے کے ذریعے اوپر چڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد کا کافی وقت میں نے قاتل کے ساتھ گذارا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ میں اس

کے پیچھے ہوں ——"

"کک، کون ہے قاتل ——"

"ایک مظلوم انسان۔ اچھا ذرا سوچ کر بتاؤ تمہیں اس شہر میں کسی وقت کسی نے وارننگ دی تھی ——"

"مجھے ——" پُرسوچ لہجے میں کہتے ہوئے جولیا کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ اس کا ذہن اپنی آمد سے تا حال کے لمحات کو کریدنے میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک واقعہ یاد کرتے کرتے اسے اچانک ہی یاد آ گیا۔

"مم، میرے خیال سے مجھے سپرمین نے وارننگ دی تھی اس وقت جب وہ بازار میں [illegible] کو پریشان کر رہا تھا ——"

"تیرے بچے جیوئیں۔ تم نے سپرمین کو چھری نکالتے بھی دیکھا تھا"

"ہاں —— ہاں، اس نے اسٹیل کی چھری نکالی تھی ——"

"شاباش جیوندی روئیں —— ہاں تو تم نے وہ دونوں چھریاں بھی دیکھیں ہیں جن سے شاردا اور نسرین کو ذبح کیا گیا تھا ——"

"اوہ —— اوہ ——" جولیا بے چینی سے پہلو بدلتی رہ گئی۔

"ویسی ہی چھری سے اس نے مجھ پر بھی حملہ کیا تھا اور بالکل ویسی ہی چھری وہ اختری کو بھی ذبح کرنے کے لیے استعمال کر رہا تھا ——"

"یہ ہوئی نہ بات۔ اس نے تمہیں وارننگ دی اور پھر رات کو تم پر قاتلانہ حملہ ہوا ——"

"اوہ —— تو کیا —— تو کیا سپرمین ——" جملے کے آخری الفاظ جولیا کے حلق ہی میں اٹکے رہ گئے اس لیے کہ انسپکٹر شہباز مسکراتا ہوا آ رہا تھا جبکہ عمران کے لبوں پر مسکراہٹ کی پراسرار ترین لکیر کھنچی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم حضرات ——" انسپکٹر نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام انسپکٹر۔ آؤ بیٹھو ——"

"میں نے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں جناب ——"

"ڈپٹی کمشنر نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا ——"

"نہیں جناب بلکہ مسکراتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ مجھ سے زبردستی لنچ کھانے کا اچھا راستہ تلاش کر لیا ہے ——"

دن کے بارہ بجے ڈی سی کی کوٹھی مہمانوں سے بھر گئی شہر کے تقریباً آٹھ معززین مدعو تھے ان میں عبدالرحمٰن پٹیل، سیٹھ انور خان اور سیٹھ رستم کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ علاقے کے دو کاؤنسلر، پولیس انسپکٹر شہباز، [illegible] عادل اور سپرمین بھی موجود تھے۔

عمران جولیا اور جوان العمر ڈپٹی کمشنر مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے پھاٹک پر ہی موجود تھے۔ چند عورتوں اور لڑکیوں کو بھی بلوایا گیا تھا مگر وہ اندر زنان خانے میں تھیں۔

کوٹھی کے لان ہی میں شامیانے تلے کرسیاں لگا دی گئی تھیں اور تمام مہمان ان کرسیوں پر بیٹھے تھے، کسی کی سمجھ میں نہیں آ [illegible] تھا کہ انہیں ڈی سی نے کیوں بلوایا ہے۔ پولیس کا انتظام بھی اچھا

خاصا تھا۔

"معزز دوستو ——" تمام مہمانوں کی آمد کے بعد عمران نے حاضرین کو مخاطب کیا۔

"آپ صاحبان حیران ہوں گے کہ میں نے یہاں آنے کی آپ صاحبان کو کیوں زحمت دی ——" عمران کے چہرے پر اس وقت شاہانہ سنجیدگی و تمکنت تھی۔ جولیا پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھور رہی تھی اور اس کے چہرے پر عمران کے لیے بے پناہ اپنائیت تھی ——!

"آپ صاحبان کو بخوبی علم ہوگا کہ مائی ٹالی جیسے چھوٹے سے شہر میں جس کی آبادی کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، پراسرار قتل ہونے شروع ہو گئے ——" عمران کی آواز گونجتی رہی اور ہر شخص اس کی طرف متوجہ تھا۔

"پراسرار قاتل نے سب سے پہلے رئیس عبدالرحمٰن کی نوجوان بیٹی کو عین مہندی کی رات قتل کر دیا۔ اس کے بعد سفاک قاتل نے انور خان کی بیٹی نسرین کو بھی عین مہندی کی رات قتل کر دیا۔ مقتولہ شاردا کے قتل کو خودکشی کا کیس قرار دیا گیا اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ رئیس عبدالرحمٰن نے پرانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پولیس کی تحقیقات میں رکاوٹ کھڑی کر دیں۔ اگر انور خان بھی رئیس کی تقلید میں خاموش رہ جاتے تو مائی ٹالی کی کوئی جوان حسین

دوشیزہ پراسرار قاتل کے ہاتھوں سلامت نہ رہتی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل اپنے دائرہ کار کو وسیع کر دیتا۔

بحر حال، اس سے پہلے کہ میں اپنے موضوع کو آگے بڑھاؤں، آپ صاحبان لنچ سے فراغت پالیں ——" آخری لفظ کی ادائیگی کے ساتھ عمران وہی چغد نظر آنے لگا تھا۔ جولیا نے ایسی بری صورت بنالی جیسے غلطی سے کونین کی ٹکیہ جبالی ہو جبکہ [illegible] زیر لب مسکرا دیا تھا۔ قطع نظر اس کے سپرمین جولیا، عمران اور پھر [illegible] کو باری باری خونخوار نظروں سے تک رہا تھا۔

بحر حال، میزبانوں نے بڑی تیزی سے میزوں پر کھانا سجانا شروع کر دیا۔ تمام مہمان گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے اور جولیا ڈی سی کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر عمران سے الجھی ہوئی تھی۔

"اونٹ کی طرح تمہاری کوئی ایک کل بھی سیدھی ہے ——؟"

عمران نے یتیم سی صورت بناتے ہوئے اقرار میں گردن ہلا دی اور جولیا بے ساختگی میں پوچھ بیٹھی۔

"کون سی ——"

"جج، جلدی بھی کیا ہے ڈارلنگ۔ نن، نکاح کے بعد دیکھ لینا ——" آخری الفاظ عمران نے سرگوشیانہ لہجے میں ادا

کئے۔ جولیا اس کا مقصد سمجھ کر فرطِ حیاء سے سمٹ سی گئی۔ اسکے چہرے پر قوس و قزح سی لہرا گئی تھی۔

"ذلیل ترین آدمی ہو ——" وہ بدقت تمام کہہ سکی۔

"ہائیں۔ اس یقین کے پیچھے کوئی خاص وجہ ہے ——"

"شٹ اپ ——" جولیا سرگوشیانہ غرائی۔

"اگر بیہودگی ختم نہ کی تو سب کے سامنے شروع ہو جاؤنگی"

عمران کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی مگر جولیا کے تیور دیکھ کر اسے خاموش رہنا ہی پڑا۔

اتنی سی دیر میں مہمانوں کے سامنے کھانا چن دیا گیا تھا اور لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

"مسٹر عمران ——" ڈی سی نے لقمہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کے خیال میں معصوم لڑکیوں کا قتل کیوں ہو رہا ہے"

"سنا ہے مسٹر سپرمین کو آپ کی پشت پناہی حاصل ہے"

جواب دینے کی بجائے عمران نے سوال کر دیا۔ سمجھ دار ڈی سی محسوس کئے بنا نہ رہا کہ عمران کوئی بات وقت سے پہلے نہیں بتلائے گا۔

"درست سنا ہے آپ نے مسٹر عمران۔ آپ دیکھ رہے ہیں

وہ معذور ہے، نحیف جسم ہے مگر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہی معذور انسان دوڑ کے مقابلوں میں اول نمبر پر رہا ہے اور اسی نحیف انسان کی بدولت [illegible] میں آئے دن چوریوں اور ڈاکہ زنی کا سلسلہ ختم ہوا ہے۔

یہ شخص بہت طاقتور ہے اور کتے کی طرح وفادار بھی۔ اس نے ہر اہم وقت پر پولیس کی مدد کی ہے۔ شراب کی خفیہ بھٹیوں کا سراغ اسی نے لگایا تھا، چرس اور افیون کے ذخائر اُسی نے پکڑوائے تھے۔ بارڈر پر اسمگلنگ کی روک تھام میں پولیس کی رہنمائی اسی شخص نے کی تھی۔ دو بار میری زندگی بھی بچا چکا ہے۔ اب بھی اگر اس شخص کی پشت پناہی جرم ہے تو میں ابھی اور اسی وقت لاتعلق ہونے کو تیار ہوں ——"

"سپرمین کا ذریعہ معاش کیا ہے ——"

"ہنرمند انسان ہے۔ گورنمنٹ سے حاصل کردہ انعامات سے اس نے ایک چھوٹی سی فیکٹری لگالی ہے۔ فیکٹری میں ہلکا پھلکا سامان تیار ہوتا ہے۔ مثلاً چھریاں، چمچے اور کانٹے وغیرہ ——"

"کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ سپرمین اس بیچارے [illegible] کا دشمن کیوں ہے، رئیس عبدالرحمٰن اور انور خان سے نفرت کیوں

کرتا ہے ——— "

"پورے وثوق سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ سپرمین سے گفتگو کے دوران میں نے جو اندازے قائم کئے ہیں، انہیں [illegible] دے سکتا ہوں ——— "

"بڑی نوازش ہوگی ——— "

"فقیر عادل کے متعلق سپرمین کی رائے ہے کہ وہ بہروپیا ہے اور یہ کہ حسن پرست ہے جبکہ سپرمین وہی کچھ باطن میں بھی ہے جو کچھ ظاہر میں نظر آتا ہے۔ اسے یقین ہے رئیس عبدالرحمٰن سونے میں بہت کھوٹ ملاتا ہے اور شراب کی بھٹیوں کا اصل مالک بھی وہی تھا جبکہ اس کے خیال میں چرس، افیون اور بارڈر پر اسمگلنگ میں انور خان ملوث ہے ——— "

عمران نے کوئی جواب نہیں دیا اور کھانے میں مصروف رہا۔ ڈی سی نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس طرح نصف گھنٹے بعد کھانے کا دور ختم ہو گیا اور کافی کا دور شروع ہو گیا۔ یہ شغل بھی دس منٹ میں ختم ہو گیا اور تمام لوگوں کی بے چین نظریں عمران پر مرکوز ہو گئیں ——— "

"حضرات۔ میں آپ صاحبان کی بے چینی محسوس کر رہا ہوں"

عمران ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر جھک کر جولیا کے کان میں کوئی ایسی ہی سرگوشی کی کہ جولیا حیرت کی زیادتی سے گم سم ہو کر رہ گئی۔

"آپ صاحبان یقیناً حالات جاننے کو بے چین ہوں گے۔ مجھے صوبائی دارالحکومت کی محکمہ خفیہ کے ایس۔ پی کی جانب سے آرڈر ملا کہ میں فوراً مائی ٹالی شہر جاؤں اور دو جوان و حسین لڑکیوں کے قاتل کو گرفتار کر کے قانون کے سپرد کر دوں۔

میں یہاں پہنچا اور شہر گھومنے کے خیال سے اپنی ساتھی جولیانہ کے ہمراہ محترم انور خان کے مہمان خانے سے روانہ ہوا۔ بازار میں میں نے دیکھا کہ سپرمین عادل فقیر کے ساتھ جھگڑ رہا ہے۔ میں ابھی صورت حال کو سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ مس جولیانہ عادل صاحب کی مدد کو لپک پڑیں۔ سپرمین اور مس جولیانہ کا چھوٹا سا تصادم ہوا اور اس تصادم میں سپرمین کو شکست ہوئی۔

بیسیوں لوگ گواہی دیں گے کہ سپرمین نے مس جولیانہ کو خوفناک انتقام کی دھمکی دی تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں بیک وقت ہم دونوں پر ڈاک بنگلے میں حملہ ہوا۔ میرے کمرے میں خوفناک چتکبرا سانپ ڈالدیا گیا اور جولیانہ پر ایک نقاب پوش نے جان لیوا

حملہ کیا ——— !

یہ اتفاق ہے کہ میں ڈاک بنگلے سے نکل چکا تھا اس لیے میری بجائے ڈاک بنگلے کا بیگناہ چوکیدار سانپ کے جھپٹے میں آگیا۔ یا پھر یوں کہنا چاہیئے کہ چوکیدار نے جولیانہ کی زندگی بچانے کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگادی۔ یہ رسک اس نے صرف اس لیے لیا کہ پراسرار نقاب پوش بے ہوشی کی حالت میں جولیا کو ذبح کرنے والا تھا۔

نقاب پوش تو چوکیدار کو دیکھ کر فرار ہوگیا مگر سانپ میرے کمرے سے مایوس ہوکر موت کے فرشتے کے روپ میں جولیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے جب نقاب پوش ڈاک بنگلے پہنچا ہے، میں سپرمین سے ملنے اس کے گھر پہنچا ہوا تھا۔ سپرمین گھر میں موجود نہ تھا۔ کافی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس نے اپنی غیر موجودگی یا مصروفیت کی کوئی وجہ نہیں بتلائی اور جب میں ڈاک بنگلے پہنچا تو ساری اصلیت میرے سامنے آگئی۔ پراسرار نقاب پوش نے اسٹیل کی جس چھری سے ذبح کرنا چاہا تھا وہ ویسی ہی چھری تھی جو دونوں جوان لڑکیوں کو ذبح کرتے وقت استعمال کی گئی تھی اور ..... عمران خاموش ہوگیا اور حاضرین کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شخص دم بخود تھا اور

پورے انہماک سے عمران کی گفتگو کی طرف متوجہ تھا۔

"ویسی ہی چھری یا چھریاں میں نے سپرمین کے گھر میں دیکھی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے ڈی۔ سی صاحب سے معلوم ہوا کہ اسٹیل کی چھریاں، چمچ اور کانٹے سپرمین کی فیکٹری میں بنتے ہیں ———"

"عمران صاحب ———" یک بیک سپرمین کسی بھینسے کی طرح پھنکارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لہجے میں کھٹکنے کتے کی سی غراہٹ تھی۔

"کیا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شاردا اور نسرین کو میں نے قتل کیا ہے؟ مس جولیانہ پر میں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا ———"

تمام لوگوں کی توجہ سپرمین کی طرف مرکوز ہوچکی تھی جب کہ عمران کے لبوں پر مسکراہٹ کی سفاک ترین لکیر کھینچی ہوئی تھی۔

"سپرمین۔ میرے چند سوالات کے جواب دوگے ———" عمران نے کہا۔

"نہیں۔ آپ مجھ سے جو بھی سوال کریں گے، جواب مایوس کن ہوگا میں اپنی مرضی کا مالک ہوں ———"

"مسٹر سپرمین ———" ڈی۔ سی ترش لہجے میں اتنا ہی کہنے پایا تھا عمران نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"دیکھو سپرمین۔ اگر تم بیگناہ ہو، اگر تم اچھے شہری ہو اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بے گناہی ثابت ہو جائے تو تمہارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ قانون کی مدد ہو ——"

عمران کے الفاظ سپرمین کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسانے لگے اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ وہ کوئی اہم فیصلہ کرنے میں مصروف ہے۔

"ٹھیک ہے جناب۔ پوچھیئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں ——"

کافی دیر کی کشمکش کے بعد سپرمین نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"سب سے پہلے مجھے یہ بتلاؤ کہ تم عادل فقیر کے دشمن کیوں ہو"۔

"یہ میری بیوی کا قاتل ہے ——" سپرمین دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے چلّایا۔ اس کا چہرہ تپتے ہوئے تانبے کی طرح سُرخ ہو چکا تھا اور اس کے لہجے میں ہذیان تھا۔

سننے والے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اچھل پڑا جبکہ عادل فقیر بدستور گردن جھکائے بیٹھا ہے۔

"کوئی ثبوت ——" عمران بالکل نارمل لہجے میں بولا۔

"ثبوت —— ثبوت اگر ہوتا تو..... تو میں اس بہروپیے کا ریشہ ریشہ ادھیڑ لیتا ——" وہ بدستور ہذیانی لہجے

میں چلّایا۔

"آہم —— تمہارے شک کی کوئی وجہ تو ہو گی ——" عمران ہنکارہ بھرتے ہوئے بولا۔

"وہ..... یعنی میری بیوی ضعیف الاعتقاد تھی عمران صاحب اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے ایک عدد بیٹا ہو وہ عادل کے پاس جاتی اسے اپنے گھر میں بلاتی رہتی تھی۔ ایک روز اس نے میرے سامنے عادل فقیر کو ذلیل کر کے گھر سے نکال دیا تھا۔ میں نے اپنی مرحومہ بیوی کے غصّے کا کوئی نوٹس نہ لیا اور اسے تسلی و تشفی دے کر فیکٹری چلا گیا البتہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا صبح کو پہلا کام یہ کروں گا کہ عادل فقیر کو خارش زدہ کتّے کی طرح گھسیٹتے ہوئے تھانے لے جاؤں گا۔

مگر..... رات کے تین بجے جب میں گھر پہنچا تو.... مم، میری بیوی اپنے ہی خون میں لت پت ساکت و جامد پڑی تھی"۔

آخری الفاظ کے ساتھ ہی سپرمین دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر ننھے بچے کی طرح سسک سسک کر رونے لگا۔ حاضرین کے ذہنوں پر ایک جمود سا طاری ہو چکا تھا۔ یوں لگتا جیسے ہر وجود سے جان نکل گئی ہو جبکہ عمران قطعی پرسکون تھا اور چیونگم کچل رہا تھا۔

"مس جولیا۔ کیا ہوا ہے تمہیں ——"

"مجھے —— ہو گیا ہے فقیر سائیں ——"

"یہ —— کیا ہوتا ہے مسی ——"

"پریشان کیوں ہوتے ہو فقیر سائیں۔ جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی تو خود بخود پتہ چل جائے گا ——"

"اوہ۔ تو گویا آپ بھی سپرمین کی طرح مجھے قاتل سمجھتی ہیں"

"تردید کرو کہ تم قاتل نہیں ہو ——"

"میں ..... میں بہت دکھی ہوں اچھی جولیا۔ میں بھلا کیا تردید کر سکتا ہوں۔ اگر واقعی تم اور عمران صاحب مجھے قاتل سمجھتے ہیں تو ..... پہنا دیجئے ہتھکڑیاں مجھے۔ میں ویسے بھی اس زندگی

سے عاجز آچکا ہوں۔ میرے زندہ رہنے کا مقصد بھی کیا ہے۔ بخدا اگر خودکشی حرام موت نہ ہوتی تو آج ذلت و رسوائی اٹھانے کے لیے میں زندہ بھی نہ ہوتا ——"

جولیا کے چہرے پر الجھن کے آثار چھا گئے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ عادل فقیر کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائے یا انہیں چوم لے۔

عادل فقیر کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بیٹھے ہوئے اس کے معتقد جولیا کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔

"حضرات ——" عمران کی آواز پر سبھی لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے —— "آپ لوگوں نے سپرمین کی گفتگو سن لی۔ آپ لوگوں میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے سپرمین کی بیوی کی میت کو کندھا دیا ہو گا مگر کوئی شخص ایسا نہ ہو گا جس نے میت کو ایک نظر دیکھا ہو —— میرا اندازہ ہے کہ سپرمین نے عورتوں سے بھی اپنی بیوی کی میت کو چھپایا تھا کیوں سپرمین ——"

جملے کے آخری الفاظ عمران نے سپرمین سے مخاطب ہو کر کہے۔ جواب میں سسکتے ہوئے سپرمین نے صرف اقرار میں گردن ہلا دی۔

"مگر ——" عمران اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا!

"وہ عورت جانتی ہے، جس نے میت کی آخری رسوم ادا کی تھیں کہ سپرمین کی بیوی کو بالکل اسی طرح ذبح کیا گیا تھا جسطرح شاردا اور نسرین کو ذبح کیا گیا تھا۔

اسٹیل کی تیز دھار چھری سپرمین کی مقتولہ بیوی کی مٹھی میں دبی ہوئی تھی۔ قاتل چاہتا تھا کہ سپرمین اس حادثے کو خودکشی سمجھ کر خاموش ہو جائے۔ گو کہ سپرمین نے واقعی خاموشی اختیار کر لی تھی حتیٰ کہ اس نے اس واقعے کو پولیس اور محلے والوں سے بھی چھپایا مگر وہ یقین کر چکا تھا کہ موت دراصل قتل ہے۔

اسوقت تو اسے مزید یقین ہو گیا جب شاردا کا قتل ہوا اور سپرمین فقیر عادل کو قاتل سمجھتا رہا ——"

"معزز مہمان ——" عادل کے معتقدین میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند عمران کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔ آپ اپنا فیصلہ سنائیں کہ قاتل کون ہے؟"

"قاتل عادل فقیر ہے ——" عمران کے اعلان نے ہر شخص کو جھنجھنا کر رکھ دیا سکوت ٹوٹ گیا اور سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"معزز مہمان ——" ایک اور شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر عادل سائیں قاتل ہیں تو انہیں اس مجمعے میں قاتل ثابت

کریں دوسری صورت میں ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہمارے احساسات و جذبات کو مجروح کرنیوالے کو سزا دیں ——"

احتجاج کرنیوالا بیٹھ گیا اور عمران اس کے الفاظ کا کوئی نوٹس لیئے بغیر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انسپکٹر نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے ایک فائل عمران کی طرف بڑھا دیا۔

"حضرات ——" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عمران چند کاغذات ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"شاردا کا قتل جس روز، جس وقت ہوا ہے، سپرمین اس روز اس وقت ڈی سی صاحب کے ساتھ قریبی شہر تولو ہار میں موجود تھا۔ تولو ہار کا کلکٹر اور پولیس افسران و دیگر بہت سے شہری میرے انکشاف کا ثبوت ہیں ——"

"کیا نام ہے تمہارا ——" عمران احتجاجی شخص سے مخاطب ہوا۔

"میر محمد ——"

"ہاں تو میر محمد اگر تم یا دوسرا کوئی میری گفتگو کے دوران بولا تو سے بھیانک سزا دونگا ——" عمران کا لب و لہجہ اچانک ہی اس قدر خوفناک ہو گیا کہ ڈی سی سمیت ہر شخص اپنی جگہ سنسنا کر رہ گیا۔

"ہاں تو دوستو ثابت ہوا کہ سپرمین اسوقت مائی ٹالی میں نہیں تھا جبکہ جائے حادثہ سے پولیس جسقدر بھی ثبوت حاصل کر چکی ہے وہ تمام تر عادل فقیر کو قاتل ثابت کرتے ہیں۔

"سوال یہ اٹھتا ہے کہ عادل فقیر جو ایک ٹانگ سے اس قدر معذور ہے کہ بغیر سہارے کے چند قدم نہیں چل سکتا وہ کس طرح رئیس عبدالرحمن کے مکان کے بالائی حصے میں پہنچا، اُس نے ذرا سی دیر میں مقتولہ کو کس طرح گرفت میں لیکر ذبح کیا اور پھر آناً فاناً میں کیسے غائب ہو گیا۔

یہ تمام سوالات ایسے ہیں کہ اگر ان کا جواب نہ مل سکے تو عادل فقیر واقعی بیگناہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

"سپرمین ——" عمران اچانک ہی سپرمین سے مخاطب ہوا۔ چونکہ سپرمین کافی نارمل ہو چکا تھا اس لیے عمران کے مخاطب کرنے پر خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ دستانے دونوں ہاتھوں پر ڈالو اور ان تمام لوگوں کے سامنے ہتھیلیوں کے بل بچھو کی چال چل کر دکھاؤ ——" عمران جیب سے دستانے نکال کر سپرمین کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ اس دوران ذرا سی پس و پیش کے بعد سپرمین عمران کے

قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے دستانے لیے اور ہاتھوں پر چڑھا کر ایک ہی جست میں ہتھیلیوں کے بل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی دونوں ٹانگیں آسمان کی جانب اُٹھا کر بچھو کے ڈنک کیطرح موڑ لی تھیں۔

تمام لوگ اچک اچک کر نیا تماشہ دیکھنے لگے۔ ڈی سی سمیت ہر شخص عمران کے طریقۂ کار پر متعجب تھا مگر کسی میں اعتراض کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو سکی۔

قطع نظر ان کے سپرمین دونوں ہتھیلیوں کے بل اس تیزی سے چلنے لگا تھا کہ دیکھنے والے حیرت سے گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔

چونکہ تمام لوگ نئے اور دلچسپ تماشے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اس لیے کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا تھا۔ عادل فقیر کی پشت پر کھڑی ہوئی جولیا بھی اچک اچک کر سپرمین کی طرف تک رہی تھی۔ اور فقیر عادل اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر کرسی سے زمین پر بیٹھ گیا تھا ——— پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس مہارت سے کرسیوں کے درمیان سے

نکلا کہ کسی کو احساس نہ ہو سکا مگر، اس کی بدقسمتی کہ ٹھیک اسی وقت سپرمین نے تماشہ ختم کیا اور جولیا کی نظریں فقیر عادل کی کرسی پر جا پڑیں۔

کرسی خالی پا کر اس کے ذہن پر بڑی زور کا چھناکہ ہوا۔ اُس نے بجلی کی سی تیزی سے گردن موڑی اور عادل کو دیوار کی جانب بڑھتے دیکھ کر اس نے حیرت انگیز تیزی سے جمناسٹک سٹائل میں الٹی چھلانگ لگا دی۔ جولیا کی اس حرکت کو چونکہ بہت سارے لوگوں نے دیکھ لیا تھا اس لیے آناً فاناً میں سناٹا مجروح ہو گیا ——— ڈی سی، عمران اور پولیس بھی متوجہ ہو گئی مگر پلک جھپکنے کی دیر بعد وہ سب کچھ ہو گیا جسے دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔

ہوا یوں کہ جولیا نے الٹی چھلانگ لگائی تھی اور فقیر عادل ہونے چوکنا تھا اس نے پلک جھپکنے کی دیر میں گیند کی طرح اُچھل کر جولیا کو اپنی دونوں ٹانگوں کی گرفت میں لے لیا اب وہ ہتھیلیوں کے بل زمین پر ٹکا ہوا تھا اور جولیا اس کی ٹانگوں میں دبی ہوئی رہائی کے لیے مچل رہی تھی۔

"الرٹ ——— آل باڈی ———" یک بیک ڈی سی پولیس

کی طرف دیکھتے ہوئے دھاڑا۔ قطع نظر اس کے عمران ہوا کے بگولے کی طرح رکوع کے بل جھکا ہوا لوگوں کی آڑ میں عادل کی طرف بڑھ چکا تھا۔

"خبردار ——" یک بیک عادل فقیر نے حیرت انگیز طور پر جولیا کو ہوا میں اچھالا اور ایک لمحہ کے چوتھے حصے میں پیروں کے بل ٹک کر جولیا کو اپنی باہوں کی گرفت میں لیکر غرایا —— یہ سب کچھ اس تیزی سے ہو گیا کہ پولیس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ ہر شخص مبہوت سا ہو گیا۔ اس لیے بھی کہ نحیف و لاغر فقیر رائیں وہ ڈنڈا بھی پھینک چکا تھا جس کے سہارے وہ چند قدم پیدل چل سکتا تھا۔

بڑی سی بیچارگی سے ہتھیلیاں ملنے لگا کیونکہ عادل نے ایک بازو جولیا کی گردن کے گرد اس سختی سے حائل کر لیا تھا کہ جولیا کو اپنی سانس لینے میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی اور عادل کے دوسرے ہاتھ میں اسٹیل کی تیز دھار چھری تھی جو جولیا کے نرخرے پر رکھی ہوئی تھی۔

"اگر اس جاسوسہ کی زندگی عزیز ہے تو کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا ——" عادل نے جملہ مکمل کر دیا اور جولیا کو گرفت میں لیے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔

اچانک بازی الٹ گئی۔ سفاکی و درندگی کا مجسمہ عمران یک بیک

ہی عادل کی پشت پر پہنچ گیا اور پلک جھپکنے کی دیر میں اس نے عادل کی وہ کلائی دبوچ کر کھینچ لی جس میں اسٹیل کی چھری تھی۔ پھر، عمران کے سر کی ایک ہی ٹکر نے عادل کو بلبلا کر رکھ دیا۔ اس کی گرفت ذرا ہی ڈھیلی ہوئی تھی کہ جولیا چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل گئی مگر اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ اٹھ کر عادل پر جوابی حملہ کرتی۔

قطع نظر اس کے عمران نے جیسے ہی عادل فقیر کی کلائی دبوچی اور جولیا عادل کی گرفت سے آزاد ہوئی، عادل نے پلک جھپکنے کی دیر میں ایک قلابازی لگائی۔ اس طرح وہ عمران کو گرا تو نہ سکا البتہ خود بچھو کی طرح زمین سے ٹک گیا۔ عمران کو اس لیے نہ گرا سکا کہ عمران اس کے داؤ کو سمجھ چکا تھا اسی لیے اس نے عادل کی کلائی از خود چھوڑ دی تھی۔

"نہیں ——" پولیس کو عادل کی طرف لپکتے دیکھ کر عمران درندہ کی طرح غرایا ہر شخص اپنی جگہ کھڑے رہ کر تماشہ دیکھے گا" جملے کے اختتام میں عمران بندر کی طرح جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا اس لیے کہ عادل نے الٹا ہونے کے باوجود عمران کے سینے پر کک رسید کر دینی چاہی تھی۔ حملہ رائیگاں گیا اور عادل چھپاک سے چاروں خانے چت زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی وہ فوراً اٹھا اور زمین پر گری ہوئی چھری اٹھا کر ہوا کے بگولہ کی طرح عمران پر حملہ آور ہو گیا۔

اس کی آنکھیں آگ کی طرح سرخ ہو چکی تھیں اور چیچک دار چہرہ اس قدر بھیانک ہو گیا تھا کہ دیکھنے والوں نے خوفزدہ ہو کر نظریں جھکا دی تھیں۔ بہر حال چھلاوے کی طرح عمران نے اس کا وار خالی دیا۔ دوسرے حملے کے بیکار ہوتے ہی عادل فقیر پر جنون سا سوار ہو گیا۔ اس نے آن واحد میں قلابازی لگائی اور ہتھیلیوں کے بل ٹک گیا۔ ایسا کرتے وقت اس نے ٹانگوں سے عمران پر حملہ کرنے کی پوری پوری کوشش تھی یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

اچانک عادل نے بجلی کی سی تیزی سے زاویہ بدلا اور عمران کی بجائے جولیا پر حملہ آور ہو گیا مگر جولیا چونکہ چوکنی تھی اور اس کی چھٹی حس بیدار تھی لہٰذا جیسے ہی عادل اس پر حملہ آور ہوا وہ خود ہوا کے بگولے کی طرح اچھلی، دونوں ٹانگوں کو جوڑا اور عادل کے حملے سے بچاؤ کرتی ہوئی، بھرپور دولتی عادل کے سینے پر رسید کر کے دوسری طرف نکل گئی۔

ایک طویل چیخ عادل کے لبوں سے نکلی اور وہ زمین پر گر کر چھپکلی کی کٹی ہوئی دم کی طرح لرزنے اور تڑپنے لگا۔

عمران کے لبوں سے ایک طویل سانس نکلی اور اس نے پولیس

انسپکٹر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کر دیا۔

پانچ منٹ کے اندر عادل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ ہر طرح سے بے بس ہو جانے کے بعد عادل کا قد و قامت اور چہرے کی مظلومیت کو دیکھ کر ہر وہ شخص جو عادل سے ذرہ برابر بھی عقیدت رکھتا تھا، رونے لگا تھا۔

جو کچھ بھی تھا انسپکٹر شہباز عادل فقیر کو کھینچتا ہوا ڈی سی کے قریب لے گیا۔

"فقیر عادل کو چاہنے والو دیکھ لیا تم نے مظلوم بھیڑیا۔" کافی دیر بعد حالات معمول پر آتے ہی عمران نے کہنا شروع کیا۔ فقیر عادل کے دو بھائی شفیع محمد اور گل محمد بھی پہنچ گئے تھے اور عجیب سی کھوئی کھوئی نظروں سے عادل کو تک رہے تھے۔

"یہ اگر جلد بازی نہ کرتا تو ممکن ہے آپ لوگوں کی نظروں میں مظلوم اور صرف قانون کی نظروں بھیڑیا رہتا تھا مگر یہ مظلوم بھیڑیا اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔

اس نے سب سے پہلے سپرمین کی بیوی کو قتل کیا اس انداز میں کہ قتل راز میں رہے اور خودکشی عیاں ہو جائے۔ اس کے بعد اس نے نثار دا کو قتل کیا اور پھر نسرین کو کیا۔ نسرین کے بعد یہ ہر اس لڑکی کو قتل کرتا جو نسرین کی گہری دوست تھیں اور مقتولہ کے ہمراہ عادل

فقیر کے پاس جاتی رہتی تھیں جیسا کہ اس نے گذشتہ شب اختری کو قتل کرنا چاہا تھا۔

یہ مظلوم بھڑیا اس لیے بپھر گیا کہ ہاں اور میری ساتھی قاتل کی تلاش میں مائی ٹالی پہنچ چکے تھے۔ اس نے یقین کر لیا کہ اب اس کا راز راز نہیں رہ سکے گا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو قانون کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لیے اور سپرمین کو قانون کی نظروں میں قاتل ثابت کرنے کے لیے اس نے بہت ہی جامع پروگرام بنایا۔

چونکہ مائی ٹالی شہر میں داخل ہونے وقت یہ ہم پر اپنی مظلومیت اور اعلےٰ ظرفی کا نقش چھوڑ چکا تھا اس لیے اپنے پروگرام پر عمل کے لیے میدان میں گیا ——— سپرمین مارکیٹ روڈ پر اس سے الجھ پڑا، جولیا نے مداخلت کی اور سپرمین میری ساتھی کو بھیانک نتائج کی دھمکی دیتے ہوئے چلا گیا ——— عادل نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور رات کے اندھیرے میں چپکے بر اناگ ساتھ لیکر ڈاک بنگلے پہنچ گیا۔ یہ اس کی بدبختی تھی کہ میں اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ڈاک بنگلا چھوڑ چکا تھا۔

اس نے زہریلا سانپ میرے کمرے میں ڈالا اور خاموش کھڑا رہا تھا جب اسے یقین ہو گیا کہ سانپ مجھے ڈس چکا ہے تب

وہ جولیا کے کمرے میں کھڑکی کے ذریعے پہنچ گیا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ شاردا کے قتل کے بعد انسپکٹر شہباز کی نگرانی میں پولیس نے نشانات کے جو پرنٹس اٹھائے تھے وہ مجھے کھل گئے گو کہ نشانات واضح نہیں تھے مگر ان نشانات پر میری توجہ مرکوز ہوئی وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل ہی مختلف تھے یعنی یہ کہ قدموں کی جگہ ہاتھوں کے نشانات تھے۔ بالکل ویسے ہی نشانات کھڑکی سے بھی ملے اور کھڑکی سے باہر نیچے زمین پر بھی پائے گئے۔

مجھے مائی ٹالی شہر میں صرف دو آدمی ایسے نظر آئے جو معذور، نحیف اور مظلوم تھے۔ ان میں پہلا شخص یہ فقیر عادل تھا اور دوسرا سپرمین ——— لہٰذہ نشانات کو دیکھتے ہی میرا ذہن ان دونوں کی طرف مڑ گیا ——— میرا اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک شخص ایسا ہے جو پیروں کا کام ہتھیلیوں سے لیتا ہے۔ اس طرح کا یقین ہو جانے کے بعد میں نے دونوں معذور انسانوں کا بہت جلد موازنہ کر لیا۔ نشانات ہی سے میں نے وزن کا اندازہ لگا لیا جو نشانات شاردا اور نسرین کے قتل کے وقت حاصل ہو سکے اور جو نشانات میں نے اختری کی خوابگاہ سے حاصل کیے ان میں نہ صرف یہ کہ یکسانیت ہے بلکہ جسمانی دباؤ بھی یکساں ہے۔

ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ قاتل سپرمین نہیں بلکہ عادل فقیر ہے اور وہ ہراس فن میں مہارت حاصل کر چکا تھا جو سپرمین کا طرہ امتیاز رہا ہے ——— عادل کی یہ خواہش تھی کہ وہ ایک تیر سے دو شکار کھیلے۔ اوّل یہ کہ عادل ہراس لڑکی یا عورت کو ختم کر دے جو اس سے شدید نفرت کا اظہار کر چکی تھی۔ دوم یہ کہ طریقۂ کار ایسا اختیار کیا کہ تمام شکوک سپرمین کی جانب ہوں اور اس کی راہ کا کانٹا ہٹ جائے۔

اور بہت ساری باتوں کے علاوہ بھی میں نے الیکٹرونگ کیمرہ کے ذریعے ایسے ٹھوس ثبوت حاصل کر لیے ہیں جو عادل فقیر کی تمام حرکات کو واضح کرتے ہیں۔

"میں قاتل نہیں ہوں یارو ———" عادل چلّاتی آواز میں بولا ——— ! جب عمران، جولیا اور ڈی سی کا اصرار بڑھ گیا کہ وہ اپنی صفائی میں جو کچھ بھی کہنا چاہے، کہہ سکتا ہے۔

"ہاں ہاں میں نے ہی سپرمین کی بیوی روزاں کو قتل کیا تھا میں نے ہی شاردا اور نسرین کو قتل کیا۔ میں نے ہی جولیانہ اور پھر اختری کو قتل کرنا چاہا تھا ——— مگر، کیوں ——— کبھی کسی نے سوچا؟ سپرمین کی بیوی روزاں اس وقت مجھ سے نفرت کرتی تھی جب وہ کنواری تھی۔ روزاں وہ پہلی لڑکی تھی جس نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ دیا۔ ان

لوگوں سے شدید نفرت کا اظہار کیا جو مجھ سے نفرت کرتے تھے مگر، ایک دن مجھے اچانک معلوم ہوا کہ وہ سپرمین سے کورٹ میرج کر چکی ہے۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی میں ایک کراہتی، سسکتی اور تڑپتی لاش بن گیا۔

ہو سکتا ہے میں اس صدمے کو برداشت کر جاتا مگر روزاں میرے پاس اچانک پہنچ گئی اور مجھ سے اولاد ہونے کا تعویز مانگنے لگی۔ اب اگر میں نے اس سے بیوفائی کے اسباب پوچھ لیے تو کون سا جرم کیا تھا۔

وہ کہنے لگی کہ میں چیچک زدہ ہوں، لنگڑا اور محتاج ہوں ہر وقت کھانستا رہتا ہوں اور اس قابل ہوں کہ مجھ سے نفرت کی جائے۔ اس نے نفرت سے میرے منہ پر تھوک دیا تھا ——— " کہنے کے ساتھ ہی وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر بلک بلک کر رونے لگا۔ پورے مجمع پر ایک طرح کا جمود سا طاری ہو چکا تھا۔

" یہ ——— یہ میرا چچا ہے ——— " کچھ دیر بعد عادل فقیر رئیس عبدالرحمٰن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا۔

" اس سے پوچھو کہ شاردا میری منگیتر تھی یا نہیں۔ شاردا میری منگیتر تھی۔ اس کی شادی مجھ سے ہونی چاہیئے تھی۔ مجھے زندہ رہنے کی آس دلاتی گئی تھی۔ میں شاردا کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا مگر میرے چچا نے دولت اور صحت مندی کے غرور میں نہ صرف مجھ سے نفرت کا عملی ثبوت

دیا بلکہ میرے عزیزوں اور ملنے جلنے والوں کے دلوں میں بھی مجھ سے نفرت کا بیج بویا ——— !

لسرین نے اس وقت مجھے سہارا دیا جب میں بالکل ڈوب چکا تھا مگر وہ بھی بڑے باپ کی بیٹی تھی اس نے بھی میری محبت کو ٹھکرا دیا۔

مجھے قاتل کہنے والو بتاؤ میں نفرت کے قابل ہوں ——— !

مجھے تم نے تمہاری دنیا نے سوائے نفرتوں، حقارتوں اور طعنوں کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔ میں نے ... میں نے اگر زندہ رہنے کا گُر تلاش کر لیا تھا تو کون سا جرم کیا تھا ——— میں نے خدا کے بنائے ہوئے انسان سے نفرت کرنے والوں کو سزا دی ہے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر میں قاتل ہوں تو پہلے سپرمین کو، عبدالرحمٰن کو اور خان صاحب کو پھانسی دو جنہوں نے انسان کی انسانیت کی ہتک کی۔ دولت کے نشے میں صحت مندی کے غرور میں وہ ..... وہ خدا بن بیٹھے ہیں ——— " عادل فقیر بلک بلک کر روتا رہا اور مجمع سر جھکائے ساکت و صامت بیٹھا رہا۔

ختم شد

Pakistanipoint.com
Waqar Azeem